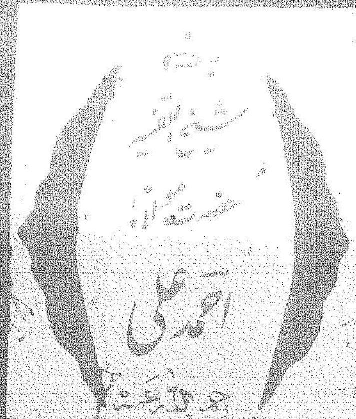
ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور
پاکستان



راہِ حق میں تکالیف

سب کارکنوں کو سمجھا دو کہ اس راہ میں بلاؤں اور تکلیفوں کو خدا سے مانگیں تو ہرگز نہیں (بندہ کو ہمیشہ اللہ سے پناہ ہی مانگنی چاہیے) لیکن اگر اللہ پاک اس راہ میں یہ مصیبتیں بھیج دے تو پھر ان کو خدا کی رحمت اور ذریعہ کفارہ سیئات و رفع درجات سمجھا جائے۔ راہِ خدا میں اس قسم کی مصیبتیں تو انبیاء اور صدیقین و مقربین کی خاص غذائیں ہیں۔

(حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ)

۱۰ ربیع الثانی ۹۷ھ

۸ اپریل ۷۷ء

احادیثِ رسولؐ

نجات اور تباہی کے اسباب

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُّنْجِیَاتٌ وَّثَلٰثٌ مُّھْلِکَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُھْلِکَاتُ فَھَوًی مُّتَّبَعٌ وَّشُحٌّ مُّطَاعٌ وَّاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَھِیَ اَشَدُّھُنَّ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں نجات دینے والی ہیں۔ اور تین باتیں تباہ کرنے والی ہیں۔

انسان کو نجات دینے والی تین باتیں یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالےٰ سے ڈرنا۔ تنہائی میں بھی اور دوسروں کے سامنے بھی۔ یہی تقویٰ ہے جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔

۲۔ حق بات کہنا راضی ہونے کے عالم میں بھی اور ناراضگی کے وقت بھی۔ حق گوئی کے بغیر حق پرستی ممکن نہیں۔

۳۔ میانہ روی اختیار کرنا تونگری میں بھی اور غربت کے عالم میں بھی۔ میانہ روی ہزار دکھوں کا علاج ہے۔

اس کے برعکس انسان کو تباہ و برباد کرنے والی باتیں یہ ہیں:۔

۱۔ نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ جانا۔ اس لیے کہ جو شخص من مرضی کا بندہ ہو جائے گا وہ کہیں کا نہ رہے گا۔

۲۔ طمع و لالچ کا بندہ بن جانا۔ لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ اس سے حلال اور حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

۳۔ اپنے آپ کو سب سے اچھا سمجھنا اور مغرور ہو کر اترانا۔ جو آدمی اس خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ ہر شخص کی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے۔

یہ خلاصہ ہے زندگی کی کامیابی اور ناکامی کے اصولوں کا۔ جو شخص ہر طرح اپنی خیریت چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ پہلی تین خصلتیں اختیار کرے تاکہ وہ ایک کامیاب اور بامراد زندگی بسر کر سکے۔ اللہ کے حضور اور اس کے بندوں کے آگے سرخرو ہو۔ اس کے ساتھ ہی ضروری ہے کہ دوسری تینوں خصائل سے بچے جو سراسر گھاٹے اور نقصان والی ہیں۔ ان میں گرفتار ہو کر انسان کہیں کا نہیں رہتا۔

ارشاداتِ حضرت عمر فاروقؓ

- جس نے اپنے نفس اور اپنی ذات کو پہچان لیا۔ گویا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔
- ”عالم“ کی لغزش گویا ”عالم“ کی لغزش ہے۔
- ”ایمان“ اس کا نام ہے کہ انسان خدائے وحدہٗ لاشریک کو دل سے پہچان کر زبان سے اقرار کرے اور حکم ”شرع“ پر عمل کرے۔
- حلال و حرام ایک جگہ جمع ہو جائیں تو حرام غالب آجاتا ہے۔

(رستم علی ناصر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خُدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۳ —— شمارہ نمبر ۲۶

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

رئیس التحریر

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر

محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارہ تحریر

◎ مولانا محمد اجمل

◎ زاہد الراشدی

◎

بدل اشتراک

سالانہ	۴۰/-
ششماہی	۲۰/-
سہ ماہی	۱۰/-
فی پرچہ	ایک روپیہ

جنابِ صدر!

مُلک جل رہا ہے!

ہم آج پاکستان کے صدر جناب فضل الٰہی چودھری کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ گزارشات ان تک پہنچ جائیں۔ اور وہ ان پر ٹھنڈے دل سے توجہ فرما سکیں۔

یہ ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ حضرت مولانا مفتی محمود نے چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی مسٹر بھٹو کے نام ۲۲ مارچ کے خط کے جواب میں جو خط لکھا اس کی ایک نقل جناب صدر کو بھیجی اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسٹر بھٹو کی طرف سے ملک و ملت کے لیے پیدا ہونے والی صورت حال کا نوٹس لے کر آخری اتھارٹی کے طور پر جدید انتخاب کا فوری انتظام کریں۔ لیکن جناب صدر نے اپنے جوابی خط میں جو کچھ ارشاد فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا:۔

"آپ کے مطالبات غیر آئینی ہیں۔ میں نے چونکہ آئین کی حفاظت کا عہد کیا ہوا ہے۔ اس لیے ایسے غیر آئینی مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا"

حضرت مفتی صاحب کی طرف سے یہ خط صدر اور چیئرمین پیپلز پارٹی کے نام بھیجے گئے تو ساتھ ہی ان بیشتر مرکزی اور صوبائی سطح پر اکثر لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور مختلف جیلوں میں بند کر دیا گیا اور اس کے بعد گرفتاریوں اور مار دھاڑ کا سلسلہ بہت تیز ہے اور مظلوم قوم جو اپنے حقوق کے لیے پُر امن تحریک چلا رہی ہے اسے تشدد کے راستہ پر ڈالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اس بے دردی سے خون مسلم بہایا جا رہا ہے کہ الامان!

اس وقت جو صورتِ حال ہے اس میں ایک طرف پوری قوم ہے۔ علماء ہیں۔ وکلاء ہیں، تاجر ہیں، مزدور ہیں، کسان ہیں، طلبہ ہیں، خواتین ہیں۔ الغرض زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں جو سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ ان پر گولیاں برسائی جا رہی ہیں، ان پر لاٹھیاں ماری جا رہی ہیں اور ظلم و تشدد کے تمام ہتھکنڈے اپنائے جا رہے ہیں۔

دوسری طرف مسٹر بھٹو اور ان کا مختصر ٹولہ ہے۔ جو خود غرضیوں اور ابلہ فریبیوں کے پیشِ نظر پورے ملک، قوم اور اس کے وسائل کو داؤ پر لگا چکے ہیں۔

بھٹو صاحب ایک ہی زبان میں طعن توڑتے، الزام لگاتے، برا بھلا کہتے اور ساتھ ہی مذاکرات کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا کردار و عمل، شرافت و دیانت کے بالکل منافی ہے۔ اس لیے ان سے مذاکرات کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کی ہی ذات ہے جو ملک کے صدر ہونے کے ناطے سے اس قابل ہے کہ اس سنگین بحران کو دور کریں جو خود غرض ٹولے یا بالفاظ صحیح ایک فرد کی ہٹ دھرمی کے پیشِ نظر پیدا ہو کر روز بروز سنگین ہوتا جا رہا ہے۔

صدر محترم! ہمیں تسلیم ہے کہ آپ بھی بہت سے دوسرے بڑے لوگوں کی طرح پاکستان پیپلز پارٹی میں ایک خاص وقت پر شامل ہوئے۔ گجرات کے ایک حلقہ سے الیکشن جیت کر ایوان میں تشریف لائے، سپیکر کا عہدہ و منصب آپ کو ملا۔ اس کے بعد چیئرمین پیپلز پارٹی آپ کو صدارتی امیدوار کی حیثیت سے سامنے لائے۔ حالات نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور آپ صدر پاکستان منتخب ہو گئے۔

یہ صحیح ہے کہ اس عظیم عہدہ و منصب تک آپ کو پہنچانے میں چیئرمین نے بڑا مؤثر ادا کیا لیکن اس منصب تک پہنچنے کے بعد آپ کی حیثیت یکسر تبدیل ہو گئی اور اب آپ محض پارٹی کے نمائندے نہیں رہے بلکہ پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔ اس حیثیت میں ظاہر ہے کہ آپ کی ذمہ داریاں سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ اہم ہیں۔ بالخصوص آج کے دور میں جبکہ ایک فرد کی طرف سے پیدا کردہ صورتِ حال نے ملک کے لئے انتہائی نازک صورت پیدا کر دی ہے۔

آپ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ آپ آگے بڑھیں اور اس آئین کے تقاضے پورے کر کے ملک کو بچائیں جس کی حفاظت کا آپ نے حلف اٹھایا ہے۔

جناب صدر! آپ حالات سے یقیناً باخبر ہیں کہ مسٹر بھٹو نے انتظامیہ سے ملی بھگت کر کے انتخابات میں کس قسم کی سنگین دھاندلیاں کرائیں؟

آپ جانتے ہیں کہ اس کے باوجود وہ پرانا مقام حاصل نہ کر سکے تو انہوں نے نتائج کو تبدیل کرانے کا وہ ناٹک رچایا۔ جس کی وجہ سے ملک و ملت عالمی سطح پر رسوائی کا شکار ہوئے اور اندرونی طور پر انتہائی نازک صورت حال پیدا ہو گئی۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس شدید ناانصافی بلکہ ہمیں معاف کریں اگر ہم کہیں کہ اس اسلام و ملک دشمنی کے پیشِ نظر جب پاکستان قومی اتحاد نے عوام کی ترجمانی کی تو عوام نے صوبائی اسمبلیوں کے بائیکاٹ سے ۲۶ مارچ کی ہڑتال تک ثابت کر دیا کہ قومی اتحاد کا موقف حق بجانب ہے اور وہ پوری قوم کے دل کی آواز ہے۔

مزید یہ کہ ۱۴ مارچ سے شروع ہونے والی عوامی تحریک کا ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جانا۔ کراچی، پشاور، لاہور، ملتان، حیدرآباد جیسے بڑے شہروں سے لے کر دور دراز کے چھوٹے قصبات تک میں گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے اور عوام کی یہ حالت ہے کہ وہ گرفتار ہونے کے لیے اپنی باری کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔

جناب صدر! اس تحریک کو دبانے اور کچلنے کی غرض سے پاکستان کی انتظامیہ نے جوتوں سمیت مسجدوں میں گھس کر عوام پر لاٹھی چارج کیا، گولی چلائی، آنسو گیس کے گولے پھینکے، علماء اور دوسرے عوام کی داڑھی کے بال نوچے، انہیں گھسیٹا (جیساکہ احمد پور شرقیہ اور لاہور مسلم مسجد میں ہوا) قرآن کے

(باقی ۹ پر)

۲۵ / مارچ ۷۷ء پاکستان میں تحریک نفاذ شریعت کا بارھواں دن تھا۔ اس دن لاہور میں ۸ مقامات پر اتحاد کے رہنماؤں نے خطاب فرمایا۔ اور پھر کارکنوں نے جلوس نکال کر گرفتاریاں پیش کیں۔ اس دن کا مرکزی پروگرام حضرت لاہوری قدس سرہ کی مسجد شیرانوالہ میں تھا جہاں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے سربراہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی زید مجدھم نے خطاب فرمایا۔ حضرت اقدس راستوں کی خرابی کے پیش نظر ۲ بجے لاہور پہنچے۔ ان سے قبل ہفت روزہ خدام الدین کے مدیر محمد سعید الرحمٰن علوی نے خطاب کیا۔ علوی صاحب سے قبل مشہور قومی شاعر اور جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے ناظم نشریات مرزا غلام نبی جانباز نے جہاں اپنے کلام سے عوام کو گرمایا۔ وہاں اپنے طویل سیاسی تجربات کی روشنی میں عوام کو تحریک کے سلسلہ میں مفید نصیحتیں بھی کیں۔ حضرت کے مختصر خطاب کی رپورٹ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

مسئلہ دین مصطفیٰؐ کے نفاذ کا ہے

حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی آیات پڑھیں :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ ، اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا الآیہ۔ وَلَا تَرْکَنُوْا الآیہ ۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا الآیہ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ الآیہ۔

اس آیت میں حضرت نے "ھل" کا لفظ تمام سامعین سے بلند آواز میں کہلوایا جس سے مسجد کے در و دیوار گونج اٹھے۔ آگے اسی آیت میں نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ۔ کا ٹکڑا بلند آواز میں جو پڑھا تو یوں معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت و نصرت اپنے مظلوم بندوں کے لیے اترنے ہی والی ہے بلکہ ظلم کے مقابلہ میں یہ استقامت بھی نصرت و رحمت کے سبب ہی ہے

پھر فرمایا :-

ابھی تو ابتدائے عشق ہے ۔ اوپر سے جو ہدایات ہیں ان کے مطابق کام بھی کرتے رہو ، دعائیں بھی کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کامیاب بناتیں۔

(آمین کی صدائے مظلومیت)

ے مریضان گناہ کو دو خبر فیض پیمبرؐ کی
بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

(نعرہ ہائے تکبیر سے فضا گونج اٹھی)

عوام کے بے پناہ انتظار کے پیش نظر فرمایا۔ کہ طویل سفر اور راستوں کی خرابی کے پیش نظر ایسا ہوا۔ ابھی آیا نہ غسل کیا نہ کپڑے بدلے تم انتظار میں رہے میں سفر میں رہا۔

مبارک دن اور مبارک جگہ

دن بھی عجیب ہے (جمعہ) جگہ بھی عجیب ہے (مسجد) رب کو منانے کا دن ہے۔ نصیب والے ہیں جو رب کو منا کر جائیں گے۔ اور بدنصیب ہیں جو محروم ہو کر جائیں گے۔

عوام کیا چاہتے ہیں؟

میں سکھر بھی گیا ، حیدر آباد بھی گیا ، شکارپور بھی گیا ، جیکب آباد بھی گیا ، ڈیرہ غازی میں ایک دن میں آٹھ جلسے ہوئے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان بھی گیا ، بنوں ، کوہاٹ ، ٹل بھی گیا ، اکوڑہ خٹک بھی گیا مولانا عبدالحق کے ہاں پھر حکیم عبدالسلام صاحب کی تعزیت کے لیے ہری پور گیا۔ پھر ایبٹ آباد گیا۔ پہاڑ سفید تھے معلوم ہوا برف بہت

سے آگے جانا مشکل، لیکن ساتھیوں نے کہا "نفر" تو ضرور جانا ہے چنانچہ وہاں بھی گیا۔ سردی بہت تھی اس کے باوجود میں نے دیکھا ہزاروں بچے، بوڑھے جوان موجود ہیں۔ میں نے یوں محسوس کیا کہ بچوں کی آہیں بھی عرش تک پہنچ چکی ہیں (یعنی مظلومانہ آہیں)

(پاکستان کا مطلب کیا ؟ لا الہ الا اللہ کے نعرے)

عوام کو نصیحت

حضرت نے فرمایا کہ وقت کم ہے، نماز پڑھنی ہے بعد میں جلوس کے پروگرام میں نعرے لگائیں لیکن منفی نعرے نہ ہوں مثبت ہوں کیونکہ الانا ء یترشح بما فیہ۔ برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے۔ جن کو گالی نصیب ہے وہ گالی دیتے ہیں تم ان کے لئے بھی ہدایت کی دعا کرتے رہو۔

پولیس کو نصیحت

آج چاروں طرف پولیس کھڑی ہے۔ یہ پولیس ہماری ہے۔ سب کہو سبحان اللہ (مسجد گونج اٹھی) ہمارا ہو کے ان کو رہنا پڑے گا۔ مجھے کہتے ہیں تم کیوں پھر رہے ہو۔ جو گئے ہیں ان کو بھی ملا سکتے ہو؟ میں نے کہا ہم بخیل نہیں ہیں ؎

در فیضِ محمدی وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے

نو جماعتوں کا اتحاد

مجھے کہتے ہیں کہ نو جماعتیں تو ایک دوسرے کو سلام بھی نہیں کرتی تھیں ؟ میں نے کہا جو اعتراض کرتے ہیں وہ قرآن نہیں جانتے۔ قرآن جانتے ہوتے تو یہ اعتراض نہ کرتے۔ سورہ ملک کے جو حافظ ہیں ان کو بھی پتہ ہے۔ رب نے فرمایا۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) (آپ نے عوام سے بھی پڑھایا)

وہ جوڑنے پر بھی قادر ہے، تمہاری آہیں عرش تک پہنچیں، رحمت کا دریا موج میں آیا۔ نو جماعتوں کو اکٹھا کر کے "قومی اتحاد" بنوا دیا۔ کہو الحمد للہ (عوام نے جذبات تشکر سے الحمد للہ کہا تو سماں ہی عجیب تھا)

اس کے بعد حضرت نے خود "قومی اتحاد" کا نعرہ لگوایا تو "زندہ باد" سے مخالفین کے کلیجے ہل گئے۔ اور انتظامیہ کے گماشتے جو اپنے کو مسلمان کہلانے کے باوجود مسجد کے چاروں طرف پوزیشنیں سنبھالے کھڑے تھے دریائے ندامت میں غرق ہو گئے ساتھ ہی آپ نے ختم نبوت، اسلام، نظام شریعت جیسے نعرے لگوا کر دنیا پر ثابت کر دیا کہ "عوام" کیا چاہتے ہیں۔

مزید فرمایا کہ قومی اتحاد کا ساتھ دو اور جو قومی اتحاد کے مخالف ہیں ان کو توڑ دو۔ نام کسی کا نہیں لیا۔ جو "ہو" اسے توڑ دو۔ نام کی ضرورت نہیں۔ ہم نے کام کرنا ہے اور کام کے لیے نام کی ضرورت نہیں۔ وہ گالی دیتے رہیں ہم ان کے لیے بھی دعائیں کرتے رہیں گے۔ پولیس بھی سن لے، افسر بھی آئے ہوئے ہیں۔ میری کسی پر نگاہ نہیں۔ نہ بھٹو پر، نہ اس کی انتظامیہ پر۔ میری نگاہ ہے تو رب کی رحمت اور اپنے پیارے نبی کی شریعت پر! (ہاں تو سن لو) عوام سب کچھ قربان کر دیں گے لیکن شان والے نبی کے دین کو قربان نہیں کریں گے (انشاء اللہ کے دل ہلا دینے والے اعلان)

ہمارا منشور

نو جماعتوں کے منشور کی بات کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جس نے نو جماعتوں کو اکٹھا کیا اس نے لوح محفوظ سے منشور کا بھی انتظام کر دیا۔ پہلے بھیج دیا۔ (سبحان اللہ)

لوح محفوظ سے منشور آیا۔ سورۃ فاتحہ سے والناس تک! شان والے نبی کے پاس آیا۔ وہ ہمیں امانت دے کر گئے۔ ہم امانت کی خیانت کریں گے تو حضور علیہ السلام ناراض ہوں گے یا نہیں ؟ (عوام نے کہا ہوں گے) اس لئے ہم خیانت نہیں کریں گے۔ یہ سارا قرآن مجید شان والا نبی دے کر گیا۔ یہی ہمارا منشور ہے، اس کی لاج رکھنا۔

اس کو اپنانا تو انشاء اللہ ہر مقصد میں کامیاب ہوگے دشمن بھی تمہارے سامنے جھکیں گے۔

خواتین، مزدور اور کسان

کہتے ہیں کہ اس منشور کو چھوڑو، یہ باتیں بادیہ نشینوں کے لیے تھیں۔ اب تو سائنس کا دور ہے۔ میں حیران ہوں کہ جو یہ باتیں کہتے ہیں کہ وہ اس قسم کی باتیں کیسے کہہ لیتے ہیں۔ ان کو توبہ کرنی چاہیے۔ ایک مسلمان یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ کہتے ہیں کہ خواتین نے "اسلام" کو مسترد کر دیا (توبہ توبہ کی آوازیں) ساتھ ہی کسان کا ذکر کرتے ہیں، مزدور کا ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کو مسترد کر دیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ خواتین ہوں یا کسان، مزدور سب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور غلام آقا کی امانت کو کیسے مسترد کر سکتے ہیں؟ یہ تمہارا جھوٹا پروپیگنڈا ہے اور تم نے فرضی نتائج کا اعلان کر کے یہ تاثر دیا لیکن دھوکہ نہیں چل سکتا۔

آج ہر مجلس مشترک ہے یہاں بھی وکلاء ہیں، علماء ہیں، تاجر ہیں، دکاندار ہیں، پردہ میں خواتین بھی آئی ہیں تم کیا چاہتے ہو؟ سب نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے کہا۔ اسلام اور صرف اسلام! ہمیں صرف اسلام چاہیئے۔

(نعرہ ہائے تکبیر و ختم نبوت، اسلام و قومی اتحاد)

حضرت نے مسجد میں ہزاروں عوام سے پوچھا کہ تمہارے گھروں میں بھی عورتیں ہیں کسی نے کہا کہ ہمیں اسلام منظور نہیں؟

(ہر طرف سے آواز آئی۔ کسی نے نہیں کہا)

تب حضرت نے فرمایا کہ یہ خواتین اور مزدور، کسان کو بدنام کرنے کی سازش ہے، جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔

جب کسی نے یہ بات نہیں کہی تو انہوں نے یہ کیوں کہا؟ کیوں محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے غلاموں کو ستایا؟

پیپلز پارٹی کو دعوت

میں اس کو بھی دعوت دیتا ہوں پیپلز پارٹی کو اور پولیس کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ رب کو منا لو، یہ فائدہ

اور بھلا اسی میں ہے ؎

تو مشو مغرور بر حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا
اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ

مجاہدین پر زیادتی مت کرو

میں کل سارا دن پھرتا رہا۔ رحیم یار خاں گیا۔ اس تحریک میں ہمارے جو دوست گرفتار ہیں ان کی ملاقات کو گیا۔ سپرنٹنڈنٹ نے سختی کی کہ صرف دو مل سکتے ہیں باقی نہیں۔ میں نے کہا یہ کیا بات ہے؟ ہم مجرم تھوڑے ہیں؟ وہ تو اپنے حقوق کے لیے آئے ہوئے ہیں ان کے ساتھ سختی نہ برتو کہیں خدا روٹھ نہ جائے (کیونکہ وہ خدا کے دین کے سپاہی ہیں) اگر تم کہتے ہو کہ اوپر کے افسروں کا آرڈر ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اوپر کے سب افسر محکوم ہیں۔ حاکم حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے سب کا حاکم اللہ ہے۔

حاکم حقیقی

وزیر ہو، گورنر ہو، ڈی سی ہو، ایس پی ہو، سب محکوم ہیں اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ صرف اللہ کی ذات حاکم ہے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ تم محکوموں کی بات مانتے ہو حاکم حقیقی کی بات نہیں مانتے ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ ظالموں اور ناانصافوں کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ناانصافی ہے کہ تم خالق حقیقی کا کہا نہ مانو اور محکوموں کا کہا مانو۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کہ ظالموں کی طرف میلان بھی نہ کرو۔

میں پوچھتا ہوں کہ حکمرانوں نے پانچ سال میں ظلم و ناانصافی کی یا نہیں کی؟ ہر طرف سے شور (کی۔ کی) مختلف جگہوں میں ظلم ہوا ہے یا نہیں؟ (آوازیں۔ کیا ہے) انتخاب میں جو دھاندلی ہوئی اس کا تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب کہتے ہیں جہاں جہاں دھاندلی ہوئی اس کی تحقیق کرو۔ میں نے کہا۔

؎ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

پہلی اینٹ ہی جب غلط رکھی تو تحقیق کیسی؟ ہم تو ایک ہی بات کہتے ہیں کہ انتخاب ہو گا تو سارا نیا ہو گا۔ باقی کوئی بات منظور نہیں۔ (انشاء اللہ) تم سب متفق ہو؟

(نعرے اور ہاتھ اٹھا کر جی ہاں جی ہاں)

قومی اسمبلی کا انتخاب جدید ہو گا۔ رہ گئیں صوبائی اسمبلیاں تو ان کا تو بائیکاٹ ہی تھا پھر بھی صندوقچیاں بھری ہوئی نکلیں۔ ان کا کیا اعتبار؟

ہمہ گیر دھاندلی

باقی جس طریق سے انتخاب ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو گا کہ ہمارے ساتھی ہیں نیازی صاحب میانوالی کے وہ جب سات مارچ کو قومی اسمبلی کا نتیجہ لینے گئے تو ۱۰ کا نتیجہ تھما دیا۔ گویا سب کچھ پہلے سے تیار تھا (شرم شرم) تحقیق کس کی کرو گے دھاندلی تو ہمہ گیر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی جگہ دھاندلی سے خالی نہیں اس لیے جدید انتخاب کے بغیر چارہ نہیں وہ تمہیں کرانا ہو گا۔

اور پھر جو ظلم ہوئے جتنے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلام قتل ہوئے، مجروح ہوئے، عورتوں کی بے حرمتی ہوئی۔ یہ داستان بڑی طویل ہے۔ میرا کلیجہ پھٹ رہا ہے بیان نہیں کر سکتا۔

اللہ نے مجھے کئی دفعہ مکہ و مدینہ کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ جس کی نگاہ گنبد خضرا پر ہو اس کی نگاہ کسی دوسرے پر نہیں ہو سکتی۔ میں کسی کا بدخواہ نہیں۔ حکومت، پولیس سب کا خیرخواہ ہوں لیکن صاف کہتا ہوں کہ قومی اتحاد کے مطالبات ماننے پڑیں گے اس لیے کہ یہ جائز مطالبات ہیں۔

معلوم ہوا کہ زور دے رہے ہیں کچھ سیٹیں لے لو لیکن نو جماعتوں نے کہا کہ کرسیوں کا معاملہ نہیں دینِ مصطفیٰ کے نفاذ و احترام کا معاملہ ہے۔ سودے بازی کا مسئلہ نہیں۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ کا مسئلہ ہے۔ جب تک دینِ مصطفیٰ نافذ نہیں ہو گا چین نہیں آئے گا، کرسی کی کیا حیثیت ہے؟ تمام بادشاہوں کے تاج و تخت ایک طرف، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کی گرد ایک طرف۔

(نعرہ ہائے تکبیر)

وقت کی کمی کے پیشِ نظر ختم کرتا ہوں محض ایک حدیث پڑھتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ تم سب وعدہ کرو کہ اس حدیث کو کونے کونے میں پہنچاؤ گے؟ عوام نے وعدہ کیا۔ مزید وعدہ لیا کہ رعب و لالچ میں نہیں آؤ گے؟ آپ نے وعدہ لیا کہ اس عظیم جگہ وعدہ کر رہے ہو جو حضرت لاہوریؒ کی مسجد ہے۔ یہ نام پاک آتے ہی آپ نے حضرت لاہوریؒ، ان کی انجمن اور ان کے رفقاء کا قصہ چھیڑ دیا۔ یہ قصہ اتنا دردناک تھا کہ چیخیں نکل گئیں۔ آہ اب وہ لوگ دنیا میں نہیں۔

کَبُرَتْ فِيْ مَوْتِ الْكُبَرَاءِ۔

پھر حدیث ارشاد فرمائی، عوام کو پڑھائی۔

مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔

شان والے نبی نے فرمایا کہ جو جان بوجھ کر ظالم کے ساتھ چلا تاکہ اسے قوت بہم پہنچائے تو وہ دین سے خارج ہو گیا۔

بات واضح اور صاف ہے۔ سب سوچ لو کہ پیارے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس وعید کا نشانہ بننا چاہتے ہو یا کیا کرنا چاہتے ہو؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔

آخر میں نصیحت کی کہ نماز کے بعد جلوس میں مثبت نعرے لگائیں اور منفی نعروں سے گریز کریں۔

مسلمان کا ناموس

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ (بخاری)

مسلمان کو گالی دینا سخت بے حیائی ہے۔

؎ اس کے اندر کی غلاظت ہے عیاں
جو زباں سے بک رہا ہے گالیاں

اسلام اور آدابِ معاشرت

سید ابوبکر غزنوی مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم ط

دین محض نماز روزے کا نام نہیں، یہ سمجھنا غلطی ہے کہ جو زیادہ تسبیح پھیرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے وہ زیادہ دیندار ہے۔ بعض لوگ اللہ کے حقوق کے علاوہ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں جنہیں یہ فہم حاصل ہو کہ آداب معاشرت (MANNERS) کو دین میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ آدھا دین تو تہذیب و شائستگی سے عبارت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ وَاَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ (الجامع الصغیر للسیوطی)

"میرے رب نے مجھے علم عطا کیا اور بہت اچھا علم عطا کیا، میرے رب نے مجھے تہذیب سکھائی اور بہت اچھی تہذیب سکھائی۔"

اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم کے علاوہ تہذیب و شائستگی کا ذکر جدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہذیب و شائستگی کو اسلام میں ایک مستقل مقام حاصل ہے۔

عزیزو! یہ بات یاد رکھیئے کہ محض کتابیں رٹنے سے آپ کرمِ کتابی تو بن سکتے ہیں لیکن آپ کی شخصیت ادھوری اور آپ کا دین بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ بقول مولانا آزاد "ادھوری سچائیاں ہمیشہ خطرناک ہوتی ہیں۔"

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے۔ ایک گواہ کے بارے میں تو انہیں علم تھا کہ وہ قابل اعتماد ہے لیکن دوسرے گواہ کی ثقاہت کا حال انہیں معلوم نہ تھا۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا۔ تم میں سے کوئی شخص گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص قابل اعتماد ہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ثقہ آدمی ہے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا:۔

"تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتماد ہے؟" آپ نے فرمایا:۔

هَلْ جَاوَرْتَهٗ اَمْ صَحِبْتَ مَعَهٗ فِی السَّفَرِ الَّذِیْ یُسْفِرُ عَنِ الْحَقِیْقَةِ اَمْ عَقَدْتَ مَعَهٗ عَقْدًا۔

"کیا تو اس کے پڑوس میں رہا ہے یا اس کے ساتھ سفر کیا ہے جو انسان کی قلعی کھول دیتا ہے یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کیا ہے؟"

اس نے کہا "ان میں سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

لَعَلَّكَ رَاَیْتَهٗ خَارِجًا مِّنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَاَنْتَ لَا تَعْرِفُهٗ۔ (ازالۃ الخفاء)

"شاید تم نے اسے نماز کے بعد مسجد سے باہر آتے دیکھا ہے۔ تم تو اسے نہیں جانتے ہو۔"

کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آداب معاشرت کی تمام تفصیلات شرح و بسط سے موجود ہیں۔ آیئے ہم اس کا ایک مختصر سا جائزہ لیں:۔

مسکرانا نیکی ہے

ارشادِ نبوی ہے:

تَبَسُّمُكَ فِیْ وَجْهِ اَخِیْكَ صَدَقَةٌ۔ (الترمذی)

"اپنے بھائی سے ملتے ہوئے مسکرانا بھی نیکی ہے۔"

اسلام دین فطرت ہے وہ اسے ایک غیر فطری اور غیر طبعی بات قرار دیتا ہے کہ اس زندہ اور حسین کائنات میں جہاں چہچہاتے ہوئے پرندے، لہلہاتے ہوئے پودے، سرسبز و شاداب وادیاں اور ابلتے ہوئے چشمے ہیں۔ ہم ایک روکھا پھیکا اور بجھا ہوا چہرہ لے کر پھریں
عبداللہ بن حارث کہتے ہیں:۔

مَا رَأَيْتُ أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الترمذی)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکراتا ہوا چہرہ نہیں دیکھا۔"

شکریہ ادا کرنا

یہ جو ہم لوگ بات بات پر شکریہ ادا کرنے کے عادی ہیں تو یہ خالص اسلامی بات ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (ابوداؤد)

یعنی جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا ہے۔ وہ خدا کی نعمتوں کا کفران بدرجہ اولی کرتا ہے۔ وہ خدا جس کی ذات ناقابل ادراک ہے۔

اسلام نے آداب معاشرت کے جو خطوط متعین کئے ہیں ان کا مقصد دوسروں کو راحت پہنچانا ہے اور معاشرے میں خوشگواری پیدا کرنا ہے۔ اسی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افشوا السلام سلام پھیلاؤ۔ ایک دوسرے کو سلام کرنے میں بخل نہ کرو۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء: ۸۶)

"جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے زیادہ گرم جوشی اور تپاک سے جواب دو یا کم از کم اتنا تو ضرور لوٹا دو۔"

میں نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بعض اساتذہ کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی طالب علم انہیں سلام کرے تو وہ فیلٹ کے ساتھ گردن کو ذرا سا جھٹک دیتے ہیں اور ہونٹوں کو جنبش دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کا یہ طرز عمل غیر اسلامی ہے اور ہرگز لائق تحسین نہیں۔ یہ سب (COMPLEXES) کی باتیں ہیں۔ میں نے ایک بار امام راغب اصفہانی کی کتاب مفردات میں سلام کا معنی دیکھا۔ اس میں لکھا ہے:۔

اَلسَّلَامُ التَّعَرِّیْ مِنَ الْآفَاتِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ۔

یعنی ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رہنا۔

پس جب ہم کسی کو السلام علیکم کہتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوتا ہے کہ تم جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر عافیت میں رہو۔ میں جذبات سے ہٹ کر خالص لغوی اور معنوی اعتبار سے کہتا ہوں کہ دنیا کی کسی قوم کے آداب بجا لانے کا طریقہ مسلمانوں کے سلام کا لگا نہیں کھاتا جو السلام علیکم کے مفہوم میں وسعت اور جامعیت ہے وہ GOOD MORNING یا GOOD EVENING میں کہاں۔

مصافحہ:۔

اسلام میں محبت کے اظہار کے لیے سلام کے علاوہ مصافحہ رکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا۔

(رواہ ابوداؤد و ترمذی وابن ماجہ)

"اگر دو مسلمان آپس میں ملتے ہوئے اخوت دینی کی بناء پر مصافحہ کریں تو وہ جدا ہونے سے پہلے بخش دیے جاتے ہیں۔"

معانقہ:

جب کوئی شخص مدت کے بعد ملے یا لمبے سفر سے لوٹے، تو اس کے ساتھ اظہار محبت کے لیے معانقہ یعنی آپس میں گلے ملنا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ مدینہ آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے ہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت کرتا اتارا ہوا تھا آپ اسی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور زیدؓ بن حارثہ

تو گلے لگا لیا اور انہیں چوما۔ اسی طرح جب حضرت جعفرؓ بن ابی طالب حبشہ سے واپس آئے اور آپؐ سے ملے۔ حدیث میں آتا ہے:۔

فَالْتَزَمَهُ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ - (ابوداؤد)

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے چمٹ گئے اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔"

اسلام میں پرائیویسی کا تصوّر

اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی کے کمرے میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا - (النور: ۲۷)

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ تم گھر والوں کو اطلاع نہ دو اور انہیں سلام نہ کرو۔"

انسان کبھی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کی نگاہ اس پر پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے صرف اجازت لینے ہی کی تلقین نہیں کی بلکہ اس بات پر بھی زور دیا کہ کسی کے ہاں جاؤ تو دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہوا کرو، دروازے سے ہٹ کر دائیں بائیں جانب کھڑے ہونا چاہیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دروازے پر کھڑے ہونے کے آداب بھی صحت تعین سے فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے مستقل باب باندھا بابُ كَيْفَ يَقُومُ عِنْدَ الْبَابِ؟ یعنی انسان دروازے کے پاس کس طرح کھڑا ہو۔

ایک بار ایک شخص آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حجرے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ حضرت! اندر آنے کی اجازت ہے؟ آپؐ اس وقت شانہ فرما رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

إِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ

"اجازت مانگنے کا حکم تو اس لیے دیا گیا ہے کہ اندر نگاہ نہ پڑے۔"

یعنی جب تم اندر دیکھ رہے ہو تو اس سے میری پرائیویسی میں تو تم نے خلل ڈال دیا ہے۔ اب اجازت مانگنے سے کیا حاصل؟ پرائیویسی کا جو مفہوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعین کیا تھا اس دور کی متمدن قومیں اس میں رتی بھر اضافہ نہیں کر سکیں۔ ابوداؤد میں ہے:۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهِ وَلَكِنْ مِنَ الْأَيْمَنِ وَالْاَيْسَرِ۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کے دروازے پر آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ - (النور ۲۸)

"اگر تمہیں کہا جائے لوٹ جایئے تو لوٹ جایئے تمہارے معاملات کی صفائی کے لیے یہی بہتر ہے۔"

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی جنجال میں پھنسا ہوتا ہے یا بہت مضمحل ہوتا ہے یا اس پر کوئی ایسی افتاد پڑی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے آنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسلام نے ہمیں سکھایا ہے، کہ جھوٹے بہانے تراشنے کی بجائے معذرت چاہیے۔ اور کبھی یہ حکم دیا کہ آنے والے کو بھی معذرت قبول کرنی چاہیے۔ اس آیت پر عمل کرنے والے لوگ عنقا ہوتے آج کل کسی بڑے سے بڑے متشرع آدمی سے کہیے کہ دوسرے وقت ملنے آیئے تو دیکھیے کیسے بھنّاتا ہے۔

قرآن مجید نے ہمیں تلقین کی کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں کسی کے ہاں جانا مناسب نہیں حتیٰ کہ بچوں اور غلاموں کو بھی، جو ہر وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں، اجازت لینی چاہیے۔

ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ (النور: ۵۸)

"تین اوقات فجر کی نماز سے پہلے اور جب دوپہر کے وقت تم کپڑے اتار دیتے ہو اور

نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین تمہاری پردہ داری کے اوقات ہیں۔

مکان کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینا

آپ کسی سے ملنے جائیں، تو اسے باہر کھڑے ہو کر زور زور سے آوازیں دینا اسلامی نقطۂ نظر سے ناشائستگی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ (الحجرات: ۴)

"وہ لوگ جو تمہیں کمروں سے باہر کھڑے ہو کر زور زور سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے عاری ہیں۔"

صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہم احادیث اور مستند تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دروازہ ناخنوں سے آہستگی کے ساتھ کھٹکھٹاتے تھے۔ (روح البیان)

آداب مجلس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آداب مجلس کی بھی تعیین و توضیح فرما دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب کسی مجلس میں جاؤ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بیٹھنے کی کوشش نہ کرو۔ محدثین نے مستقل باب باندھا۔ باب یَجْلِسُ الرَّجُلُ حَیْثُ انْتَهٰی۔ آدمی کو وہیں بیٹھ جانا چاہیے جس جگہ مجلس ختم ہوتی ہو۔

یہ جو آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ محفل سے کوئی عارضی طور پر اٹھ جائے تو واپس آ کر وہی اس جگہ بیٹھنے کا حقدار ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کیجیے کہ یہ بات آج کل کی تہذیب کی پیداوار ہے۔ یہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

اِذَا قَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ هُوَ اَحَقُّ بِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"جب کوئی آدمی مجلس سے اٹھ جائے تو پھر لوٹے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔"

اسلام نے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرنے کو بھی مذموم قرار دیا ہے۔ سورۂ مجادلہ میں ہے:

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (المجادلہ: ۱۰)

(سرگوشی شیطان ہی کی طرف سے ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو رنجیدہ کرے)

جب دو آدمی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرتے ہیں تو دوسروں کو خیال آتا ہے کہ شاید ہماری ہی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں۔ کم از کم یہ گمان تو ہوتا ہی ہے کہ انہوں نے ہمیں اس قابل نہ سمجھا کہ ہمیں اس راز میں شریک کریں۔ چونکہ اہل مجلس کو اس سے خفت ہوتی ہے۔ اس لیے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔

آج کل کی مہذب اور متمدن قوموں کے افراد گفتگو دھیمی آوازیں کرتے ہیں اور چیخ چیخ کر بات کرنے کو ناشائستگی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال نہ کیجیے کہ دھیمی آواز میں بات چیت کرنا نئی تہذیب کی پیداوار ہے۔ قرآن عزیز نے اندازِ گفتگو کا سلیقہ بھی ہمیں سکھایا ہے۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (لقمٰن: ۱۹)

(اپنی آواز کو دھیما رکھ۔ سب سے بھدی اور بھونڈی آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے)

مجلس نبویؐ میں بیٹھنے کے آداب بھی قرآن مجید نے سکھائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (الحجرات ۲)

"اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبرؐ کی آواز سے اونچا مت ہونے دو۔ اور ان سے اونچی آواز سے بات مت کیا کرو جیسا کہ تم آپس میں بے تکلفی سے کر لیا کرتے ہو۔"

اور یہ بھی فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی۔ (الحجرات: ۳)

(یقیناً جو لوگ اپنی آوازیں بارگاہِ رسالت میں پست رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل تقویٰ اور پرہیزگاری کے لیے پرکھے گئے ہیں)

یہ سمجھنا صریحاً خام کاری ہے کہ قرآن مجید نے مجلسِ نبویؐ میں جن آداب کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی ہے ان کا تعلق صرف مجلسِ نبویؐ ہی سے تھا۔ کیا مجلسِ نبویؐ کے اٹھ جانے کے بعد یہ آئینیں معطل ہو گئی ہیں اور ان کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی ......؟

بزرگوں کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب ہمیں مجلسِ نبویؐ ہی سے سیکھنا ہیں اور بزرگوں کو اہلِ محفل سے برتنا کا ڈھنگ بھی بارگاہِ رسالت ہی سے سیکھنا چاہیئے۔ ہم شمائل ترمذی میں پڑھتے ہیں:۔

"آپ اپنے ہمنشینوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصے سے نوازتے یعنی ہر ایک کی طرف جدا جدا التفات فرماتے۔ یہاں تک کہ آپ کا ہر ایک ہمنشیں یہ سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ کو کوئی عزیز نہیں۔ آپؐ کشادہ رو اور نرم خو تھے۔ سخت مزاج اور درشت گو نہ تھے، چلا کر نہیں بولتے تھے، نہ کسی کے عیب نکالتے تھے، کسی کی تعریف میں مبالغہ نہیں کرتے تھے، کسی کی کوئی بات آپ کو ناگوار ہوتی تو اس سے تغافل فرماتے یعنی اس پر گرفت نہ فرماتے اور صراحتاً اس سے مایوسی بھی نہ فرماتے بلکہ خاموش ہو جاتے۔"

بے جا مداخلت نہ کیجئے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد آدابِ معاشرت کا ایک زریں اصول ہے:۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ

(ترمذی کتاب الزہد)

آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ غیر متعلق بات میں دخل نہ دے۔ دوسروں کے معاملات میں بے جا دخل دینے کی بیماری عورتوں میں نسبتاً زیادہ ہے۔ دوسروں کے ذاتی اور گھریلو معاملات کرید کرید کر پوچھنے میں انہیں لذت آتی ہے۔ چھپی ہوئی باتوں کی ٹوہ لگاتی ہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ چھوٹتے ہی پوچھتے ہیں کہ تمہاری آمدنی کتنی ہے۔ بعض لوگ فریقین کی خواہش اور آمادگی کے بغیر خود بخود ہی ثالث بن بیٹھتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے جا دخل اندازی میں داخل ہیں۔ اور اسلام انہیں مذموم قرار دیتا ہے۔

قرآن ہمیں حکم دیتا ہے:

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ لوگوں سے بھلی اور خوشگوار بات کہو۔

اور مومنوں کا یہ وصف بھی بیان کرتا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون:۳)

(وہ لغو اور بیہودہ بات سے پہلو تہی کرتے ہیں)

بات ٹھہر ٹھہر کر کیجئے

میرے ایک عزیز چند روز ہوئے مجھے کہنے لگے کہ جدید رجحان تو یہ ہے کہ بات کہتے وقت ہر لفظ بلکہ ہر حرف کا تلفظ صاف، واضح اور جدا جدا کیا جاتے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ جدید رجحان کیوں کر ہوا، اس کی تلقین تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم حدیث میں پڑھتے ہیں۔ کَانَ کَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَامًا فَصْلًا یَفْهَمُهٗ کُلُّ مَنْ سَمِعَهٗ۔ (ابوداؤد)

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو کرتے تو ہر لفظ جدا جدا بولتے)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے پہلو میں بیٹھ کر حضرت ابوہریرہؓ نے بڑی تیزی کے ساتھ حدیث بیان کرنا شروع کی۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں ٹوکا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اس تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے کہ اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔



عہد نبوی کا نظام تعلیم

ملک غلام حیدر ڈبل ایم اے (گولڈ میڈلسٹ) لیکچرار گورنمنٹ کالج میانوالی

اس دنیا کے ظلمت کدہ میں انسانیت کی ضلالت کو ہدایت اندھیرے کو اجالے اور جہالت کو علم سے بدلنے کے لئے اللہ تعالٰی نے ازمنہ مختلفہ میں مختلف اقوام کی طرف مختلف اوقات میں ایسے رہبر و ہادی اور معلّم خیر بھیجے کہ جنہوں نے ظلمت و جہالت کے سمندر میں بھٹکے ہوئے انسانوں کی ڈانواں ڈول کشتیوں کو نہ صرف غرق ہونے سے بچایا بلکہ ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سراج منیر ثابت ہوئے۔ اس کام کی سرانجام دہی میں پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں سے اوّلین حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے نسلِ انسانی کے تاریک تر آسمان میں علم و عرفان کے ستاروں کا جڑاؤ کیا اور انسانیت کو ایک ایسی شمع علم عطا کی جس کا حامل ظلمت (DARKNESS) و جہالت IGNORANCE کو نور اور علم سے بدلنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ایک ایسی انقلابی کتاب دی جس نے عرب دنیا کو ایک ایسی شاہراہ پر لا کھڑا کیا جو رشد و ہدایت، تقویٰ و نیکی اور فلاح انسانی کا رستہ تھا۔ اور ہر ایسے طریق سے بچایا جو بے عزتی، ذلت اور انسانیت سوز طریق تھا۔ یہ آسمانی کتاب جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر چودہ سو سال قبل نازل ہوئی۔ کلام اللہ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ جس کی تشریح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ یہی کلام اللہ اور سنت رسول اللہ عہد نبوی کے مدارس کا نصاب تعلیم تھے۔

علم کی ترغیب عہدِ نبوی میں

علم ایک ایسی شمع ہے جس کی روشنی سے دنیا کی ہر مہذب قوم نے استفادہ کی کوشش کی ہے۔ اقوام عالم کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے اس خطہ میں جہاں علم کی روشنی نمودار نہیں ہوئی وہ دنیا کا تاریک تر (QUIET DARK) خطہ تصور کیا جاتا ہے اور وہ قوم جو علم کی دولت سے محروم رہی ہے وہ دنیا کی بدترین قوم سمجھی جاتی ہے۔ اسلام چونکہ ایک جامع مانع مذہب ہے۔ اس لئے علم کے حصول پر اس نے بہت زور دیا ہے۔ حتیٰ کہ حصولِ علم کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔

حصول تعلیم از روئے قرآن

عہد نبویؐ میں نبوت کا پورا زمانہ چونکہ نزول قرآن کا زمانہ تھا۔ اس لئے قرآن نے جہاں اور مسائل و احکام بیان فرمائے ہیں، وہاں تحصیل علم پر بھی خاصہ زور دیا۔ قرآن پاک میں ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فِی الدِّیْنِ۔

ہر فرقہ سے ایک گروہ دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لئے کیوں نہیں نکلتا؟

یعنی ہر قوم ہر سوسائٹی اور ہر قبیلہ (TRIBE) سے چند ایسے افراد بھی ہونے چاہئیں جو علم دین حاصل کریں اور حاصل کرنے کے بعد ان کا مقصد اشاعت دین اور انذار قوم ہو۔ ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم

معلّم کی حیثیت سے بعثت نبویؐ کو اللہ تعالٰی نے مسلمانوں پر احسان جتلایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والحکمۃ۔ الآیۃ

یعنی پیغمبر آخرالزمانؐ ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس آیت میں جہاں خدائے بزرگ و برتر نے تلاوت آیات اور تزکیۂ نفس کی صفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شمار کی ہیں، وہاں کتاب و حکمت کی تعلیم کو بھی ان کی خوبی (CHARACTERISTIC) شمار کیا ہے۔ یعنی پیغمبر آخرالزمان کو بحیثیت معلّم

(AS A TEACHER) بیان فرما کر امت محمدیہ کو ترغیب الی العلم دنیا مقصود ہے۔ کہ ایسے معلم سے علم حاصل کرنا چاہیئے۔ قرآن کریم میں اس قسم کی آیات متعدد جگہ وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو احسان فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک علم بھی ہے جیسے۔ الرّحمٰن علم القرآن۔ علم الانسان مالم یعلم۔ علمک مالم تکن تعلم اور علم بالقلم وغیرہ تو یہ سب احسانات اللہ تعالیٰ انسانوں پر ہی جتلا رہا ہے۔ معلوم ہوا علم بہت عمدہ چیز ہے اور اس کا حاصل کرنا خدائے بزرگ و برتر کی رضا حاصل کرنا ہے۔

حصول تعلیم ازروئے سنّت

کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے۔ احادیث میں کثیر مواقع پر حصول علم کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من یرد اللہ ...... واللہ یعطی۔ یعنی جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں۔ اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتے ہیں۔ اور سوائے اس کے نہیں میں تو تقسیم کرنے والا ہوں۔ اللہ پاک عطا فرمانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح) حضورؐ کا فرمان ہے الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا۔ لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح کانیں (MINES) ہیں جاہلیت میں لوگوں میں سے بہتر اسلام میں بھی بہتر ہے۔ بشرطیکہ وہ دین سیکھیں (مشکوٰۃ) اور حدیث نبوی ہے۔ من طلب العلم کان کفارۃ لما مضیٰ۔ جس نے علم حاصل کیا ماضی کے لئے کفارہ بن جائے گا۔

ترغیب ازروئے آثار صحابہؓ

قرآن و سنت کی طرح صحابہؓ کے بہت سے آثار بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں صحابہؓ بھی علم کی طرف لوگوں کو رغبت دلاتے تھے جیسا کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا تو ذلیل تھا اور اب جو میرے پاس لوگ سیکھنے لگے تو عزت والا بن گیا۔ حضرت ابو الدرداءؓ صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ اگر میں ایک مسئلہ سیکھوں تو میرے نزدیک تمام رات کی شب بیداری سے افضل ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہزار شب بیدار، روزہ دار عابدوں کا مرجانا ایسے عالم کی موت سے کم ہے جو خدا تعالیٰ کے حلال و حرام کا ماہر ہو۔

عہد نبویؐ کے مدارس

تعلیم و تعلم کے لئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ معلم (یعنی پڑھانے والا) TEACHER

۲۔ متعلم (یعنی پڑھنے والا) STUDENT

۳۔ نصاب تعلیم (کہ پڑھنا کیا ہے) THE COURSE OF EDUCATION

۴۔ مدرسہ (کہاں پڑھا جائے) SCHOOL

اب ہم ہر ایک پر فرداً فرداً بحث کریں گے۔

معلّم

عہد نبوی کے زریں دور میں تعلیم دینے کے لئے اور حقیقی علم کی دولت سے مالا مال کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس دور کے انسانوں کے لئے اوّلین و آخرین انسانوں میں سب سے اعلیٰ درجے کا معلم محمد مصطفیٰؐ کو بنا کر بھیجا جو کہ اعلیٰ درجے کے شفیق اور انتہائی درجہ کے خلیق تھے اور جن کی مشفقانہ تعلیم سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے حبر الامتہ پیدا ہوئے اور جنہوں نے اپنی تعلیم کسی سکول، کالج اور یونیورسٹی سے حاصل نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی دینی مدرسہ (SPIRITUL EDUCATIONAL INSTITUTION) کے فاضل تھے بلکہ وہ ایک ایسی ہستی لم یزل کے تعلیم یافتہ تھے جس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی اور ولا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شاء جس کی صفت ہے اور علیم بذات الصدور جیسی عظیم خوبی کا مالک ہے۔ اور حضورؐ خدا تعالیٰ کے شاگرد تھے۔ جیسا کہ قرآن پاک خود اس کی تصریح کرتا ہے۔ ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ اور اکثر جگہوں پر علّمک اور اس سے مشابہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ خدا تعالیٰ INDIRECT یا DIRECT پیغمبر آخر الزمانؐ کے معلم اور استاد ہیں اب جب معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کی تعلیم خدا تعالیٰ کی تعلیم اور ان کی کلام اللہ تعالیٰ کی کلام تھی تو یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی حقیقی تعلیم تھی اور اسی کے

آپ معلم بناکر بھیجے گئے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم ہونے کا ثبوت تو اس حدیث سے واضح ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ ہیں کچھ لوگ نوافل اور خدا کی عبادت میں مشغول ہیں اور کچھ لوگ تعلیم و تعلم میں منہمک۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہی لوگ اچھا کام کررہے ہیں۔ البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے۔ جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں، ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے چاہے نہ دے۔ البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کررہے ہیں اور جہالت کو دور کررہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی معلم ہی بناکر بھیجا گیا ہوں یہ کہتے ہوئے آپؐ نے اس حلقہ میں اپنے لئے جگہ بنائی جہاں درس ہورہا تھا۔

آنحضورؐ کے علاوہ عہدِ نبوی میں چند صحابہؓ بھی بحیثیت معلم کام کرتے تھے۔ مورخ طبری نے ۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ رسول کریمؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو ناظم تعلیمات بناکر یمن بھیجا جہاں وہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں دورہ کیا کرتے اور مدارس کی نگرانی کرتے۔ معاذؓ بن جبل اور ابو موسٰی اشعریؓ کو نبی کریم نے ملک یمن، تعلیم اسلام کے لئے مامور فرمایا تھا۔

عہد نبویؐ کے حقیقی معلم یعنی سرورِ کائناتؐ نے چند ہی دنوں میں اپنے ساتھ کافی تعداد میں معلم پیدا کرلئے جیسے بئر معونہ کے ستر قاری وغیرہ۔

متعلم

استاد کتنا ہی علامہ فہامہ ہو اور کتنی ہی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہو جب تک اسے قابل اور ذہین (BRILLIENT) سٹوڈنٹس (STUDENTS) میسر نہ ہوں تو اس کا علم نہ تو پھیل سکے گا اور نہ ہی کسی کے کام آسکے گا۔ حضور اکرمؐ جیسے اعلیٰ پائے کے معلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ صلاحیت والے شاگرد پیدا کئے جن سے زیادہ کامیاب شاگرد دنیا کے کسی معلم نے اتنی کثیر تعداد میں نہ دیکھے ہیں نہ سنے ہیں۔ ان میں سرفہرست عبداللہ بن عباسؓ کا نام ہے جن کے لئے حضورؐ نے دعا فرمائی تھی۔ اللھم فقہ فی الدین اور جنہیں حبر الامتہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ اصحاب صفہ میں سے ابو ہریرہؓ کا نام سرفہرست ہے جو فرماتے ہیں کہ میں بھوک سے غشی کھا جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ ابو ہریرہؓ کو مرگی ہوگئی ہے۔ فرماتے ہیں خدا کی قسم بھوک کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ سب سے زیادہ احادیث انہی سے مروی ہیں اور خود ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ احادیث عبداللہ بن عمرو بن العاص کو یاد تھیں کیونکہ کان یکتب ولا اکتب وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ ان کے علاوہ سب صحابہؓ حضورؐ کے شاگرد اور متعلم تھے اور آپؐ ان کے معلم تھے۔ اس کے علاوہ تمام ازواج مطہراتؓ بھی آپؐ کی متعلمات تھیں جن میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ چار ہزار صحابہؓ کی استانی کہی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے مسند ابن خلیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''درس گاہ صفہ میں نہ صرف مقیم طلباء کی تعلیم کا انتظام تھا۔ بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے جن کے مدینہ میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لئے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی مقیم طلباء کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی''

بخاری شریف اور تفسیر طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ ''مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے اور اپنا ضروری نصاب تکمیل کرکے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے''

جیسا کہ معلم اعظم آنجنابؐ تمام معلمین سے برتر تھے آپؐ کے شاگرد ویسے ہی آپؐ پر پروانوں کی طرح فریفتہ تھے۔ آپؐ جب کوئی لفظ منہ سے نکالتے تو وہ بڑے غور و خوض سے سنتے، سمجھتے اور لکھنے والے لکھنے کی کوشش کرتے۔ اگرچہ آپؐ کے اکثر شاگرد قوی الحافظہ تھے اور استماع کی پوری کوشش کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی شاگردوں میں سے ایسے شاگرد ضرور ہوا کرتے ہیں جو پہلی دفعہ بات کو نہیں سمجھ سکتے بلکہ دوسری دفعہ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو تیسری مرتبہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے آپؐ بات کو تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں یہ بات مشکوٰۃ شریف میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا تکلم اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ

یہ بات آپؐ کی کمال شفقت اور کامل معلم ہونے پر دال ہے۔

نصاب تعلیم

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''جس علم سے آخرت کی طرف توجہ

کی جاتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم معاملہ دوم علم مکاشفہ علم مکاشفہ سے مراد وہ علم ہے جس سے معلوم کے کھل جانے کی طلب کی جائے اور علم معاملہ سے مراد وہ علم ہے کہ معلوم کے کشف ہونے کے ساتھ اس پر عمل کرنا مطلوب ہو۔ ہر چند مقصود طالبوں کا اور صدیقوں کی تاک کا مقام علم مکاشفہ ہی ہے۔ اور علم معاملہ اس کا ذریعہ ہے مگر انبیاء علیہم السلام نے خلق کے ساتھ صرف علم معاملہ ہی میں گفتگو کی ہے اور اسی کی طرف راہ بتایا علم مکاشفہ میں کچھ کلام نہیں کیا۔ مگر رمز و اشارہ کے ساتھ تمثیل و اجمال کے طور پر بایں وجہ کہ ان کو معلوم تھا کہ خلق کی فہم اس کے ادراک اور برداشت سے قاصر ہیں۔"

امام غزالیؒ کی تقسیم سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ انبیاء جس علم معاملہ پر گفتگو عوام الناس کے سامنے کرتے ہیں۔ اس کے حصول کا مقصد اس پر عمل کرنا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء اپنی امت کے عامل ترین افراد ہوتے ہیں۔

ہمارے پیغمبر نے جو کتاب اعطاء خداوندی سے ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اور اس کی تشریح جس انداز میں فرمائی ہے، دنیا کی کوئی قوم ایسی کتاب پیش نہیں کر سکی۔ یہ کتاب علوم کا معدن ہے

ع جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

بعض احادیث سے صراحت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عہد نبوی میں نصاب تعلیم فقط قرآن و حدیث تھے جیسا کہ بعض آیات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً یعلمہم الکتاب والحکمۃ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کان یقرأنا القرآن مالم یکن جنباً۔

حدیث میں وارد ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لاتکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحوہ۔ یعنی قرآن کے علاوہ مجھ سے کوئی چیز نہ لکھو اور جس نے کوئی چیز قرآن کے سوا لکھی ہو اسے مٹا دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو حضورؐ قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز بھی تھی جس کی کتابت سے منع فرمایا اور اس کے مٹانے کا حکم دیا وہ دوسری ابو ہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ میرے سوا عبداللہ بن عمرو کے بغیر کسی کے پاس نہیں اس لئے کہ وہ لکھتے ہیں اور میں نہیں لکھتا۔ اور حدیث لکھے پھر جب لوگوں نے عبداللہ بن عمرو کو ملامت کی کہ کبھی آپؐ غصہ میں ہوتے ہیں کبھی کس حالت میں اور تو ہر حال میں لکھتا ہے تو ابن عمرو نے حضورؐ کو بتلایا تو آپؐ نے فرمایا اکتب ولا حرج واللہ لا یخرج منہ الا الحق یعنی لکھ لیا کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ خدا کی قسم میری زبان سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ، نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا۔ معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور جو وہ پڑھا سکتا اس سے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا۔ کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی، طب علم ہیئت، علم انساب اور علم قرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔ ایک حدیث میں یہ بھی حکم ہے کہ استاد کی عزت کی جائے یا علم بغیر عمل بے سود ہے وغیرہ۔

یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام جو طویل تقرر نامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالتمآبؐ نے لکھا تھا اسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس میں گورنر کو ہدایت ہے کہ لوگوں کے لئے قرآن و حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں اسی دستاویز میں ایک دلچسپ جملہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں کس طرح فرق ہے اور وہ جملہ یہ ہے کہ، لوگوں کو اس بات کی نرمی سے ترغیب دو کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کریں۔"

حضرت شاہ ولی اللہؒ آیت ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ الآیۃ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ، پھر آپؐ نے تشریف لا کر کیا کیا؟ عبادات میں شرک و بدعت کے رسوم کو یکسر مٹایا۔ قیامت کا وجود ثابت کیا اور ملت حنفیہ کو تحریفات سے پاک کر کے از سر نو علم معاد احوال برزخ حشر و نشر جنت و دوزخ، علم احسان و تدبیر منزل و سیاست مدن و طریق معاش، علم اخلاق، علم آداب، علم فتن، علم فضائل اعمال، علم مناقب وغیرہ جیسے علوم کے دریا بہا دیئے۔ جن سے وہ لوگ آپ سے قبل قطعاً نا آشنا تھے۔ پھر ان علوم کو اس خوبی

سے مشترح بیان فرمایا کہ تھوڑی سی مدت میں قوم کی قوم کا یہ علوم طبی قذاق بن گئے" (رفقرۃ المعلین)

مدارس

جس طرح استاد، شاگرد اور نصاب تعلیم کا ہونا علم کی تحصیل کے لئے ضروری ہے۔ تو اس بات کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ ایک ایسی جگہ کا تعین ہو جہاں استاد اور شاگرد بیٹھ کر نصاب تعلیم پڑھا اور پڑھ سکیں۔ چنانچہ عہد نبوی میں مندرجہ ذیل جگہیں مدارس کا نام دی جا سکتی ہیں۔

مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا سب سے پہلا تبلیغی مرکز "دار ارقم" تھا یہ مکان ارقم بن ارقم کا تھا جو کوہ صفا کے دامن میں تھا۔ رسول اللہؐ تین سال یعنی سلمہ نبوی کے آخر تک یہاں اشاعت اسلام اور نو مسلموں کی تربیت کا کام انجام دیتے رہے۔

"دار ارقم" سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا مکان جو "دار الحجر" میں واقع تھا۔ سب سے پہلی تربیت گاہ کہا جا سکتا ہے۔

یثرب (مدینہ منورہ) کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کی درخواست پر آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے بھیجا۔ حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ نے اپنا مکان دیا گویا یثرب میں سب سے پہلے مدرسہ کی بنیاد پڑی۔

ہجرت کے بعد رسول اللہؐ نے آٹھ دس ماہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا یہ دوسری تربیت گاہ کہی جا سکتی ہے۔

حضورؐ نے مدینہ منورہ میں جب مسجد کی بنیاد ڈالی تو ساتھ ہی اس کے شمالی گوشے میں ایک چبوترہ بنایا جس پر ایک سائبان تھا۔ یہی "صفہ" کہلایا یہاں وہ مہاجرین قیام کرتے تھے جو غیر شاغل اور بے مایہ تھے یہ اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ "صفہ اس لئے قائم کیا گیا کہ باہر سے جو لوگ طلب علم کے لئے آئیں انہیں اسی میں ٹھہرایا جائے اور تعلیم دی جائے۔ صفہ دن کو مدرسہ کا کام دیتا اور رات کو دار الاقامۃ کا۔

محمد احسان الحق سلیمانی "تمدن عرب" میں لکھتے ہیں "صرف صفہ ہی نہیں پوری مسجد نبویؐ تعلیم گاہ تھی۔ جہاں دینی اور دنیوی تعلیم دی جاتی تھی۔ اصحاب صفہ کی تعلیم حضرت ابو ہریرہؓ کے سپرد تھی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت بھی درس دیا کرتے تھے۔ اس جامعہ میں اصحاب ذوق دور دراز ممالک سے اکتساب علم کے لئے آتے تھے"۔

مدینہ میں مسجد نبویؐ واحد درسگاہ نہ تھی بلکہ یہاں کم سے کم ۹ مسجدیں خود عہد نبویؐ میں تھیں۔ "مقام السقیا" میں بھی ایک مسجد بنائی گئی تھی۔ جہاں تعلیم کا انتظام تھا۔

مدینہ میں دو ہجری میں ایک اقامتی درسگاہ "دار القراء" کے نام سے قائم ہوئی جس کا ذکر علامہ بلاذری نے کیا ہے۔

خاتمہ کلام

مذکورہ بالا چاروں چیزوں یعنی معلم و متعلم، مدرسہ اور نصاب تعلیم جن کی قبل از اسلام کوئی واضح صورت عرب میں نہ تھی۔

عہد نبویؐ سے اس کی ابتداء ہوئی اور یہی چیز بعد میں بہت بڑے بڑے اسلامی مدارس کے قیام کا سبب بنی، بڑی بڑی لائبریریاں اسی تعلیم کی بدولت معرض وجود میں آئیں۔ کیونکہ تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا تو جو کچھ پڑھا جاتا لکھ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ لکھنے کا رواج عام ہو گیا جو لائبریریوں کے قیام کا ذریعہ بنا۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تعلیم و تعلم سے فارغ ہو کر علوم دینیہ کے چشم و چراغ گھروں میں نہ بیٹھ گئے بلکہ علم و عمل کو پھیلانے کے لئے مختلف علاقوں کی راہ لی اور اپنے اخلاق اور کردار سے غیر مسلموں کو اسلامی تعلیم کی طرف مائل کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ غیر مسلم بھی اسلامی تعلیم کو حاصل کرنے لگے۔

تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان قوم تہذیب و ثقافت میں بہت آگے نکل گئی۔ کیونکہ کسی قوم کی کلچر اور ثقافت اس وقت تک اعلیٰ پائے تک نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ نہ ہوں۔

چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے جو نصاب تعلیم پڑھا اس میں دیگر چیزوں کے علاوہ جہاد کی ترغیبات بھی شامل تھیں۔ ایسی ترغیبات پر عمل پیرا ہو کر وہ پوری دنیا کے مالک بن گئے۔

پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ اس تعلیم نے مسلمانوں کو اخلاقی پستی سے نکال کر انہیں اخلاق کے اعلیٰ منازل و مراتب سے روشناس کرایا۔

چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ اس تعلیم کی بدولت انہوں نے خالق و مخلوق کے درمیان فرق و مراتب سیکھا۔ انسانیت کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور دنیا پر حکومت کرنے کے آداب و طرق سے واقفیت حاصل کی۔

مال و دولت کا بہترین مصرف

از جناب الحاج محمد منصور الزمان صاحب کراچی :

اللہ جل شانہ کائنات کے مالک خالق اور ہر چھوٹی بڑی چیز کے پیدا کرنے والے اور پالنے والے ہیں۔ انسانی علم کی حد تک اور اس کے باہر جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے ان سب کے خالق اللہ جل شانہٗ ہیں۔

سائنس کی جدید معلومات کے مطابق کرۂ ارض کے علاوہ دیگر سیارے جو اب تک علم میں آئے۔ ان میں آبادی ممکن ہے۔ چند برس قبل کون سمجھ سکتا تھا کہ انسان چاند پر پہنچ جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ذہنِ انسانی کو وسعت اور علم عطا فرمایا اور انسان چاند پر جا اُترا۔

چاند کے علاوہ ان گنت سیارے آسمان پر ستاروں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ نہ معلوم ان میں کتنے آباد ہیں اور کیا کیا عجائبات وہاں موجود ہیں۔

سمندر کے اندر کتنی اقسام کی مخلوق آباد ہے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس تمام کا پیدا کرنے والا اور اس تمام نظام کو قائم رکھنے والا اس سب کو اصول اور مقررہ قواعد کے مطابق چلانے والا کون ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کرم ہے اور وہی نظام کائنات کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہماری دُنیا کی ہر چیز اور ہمیں عطا شدہ ہر نعمت اس کی ہی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہے۔

نعمتیں صحت، عمر، عقلِ سلیم، قوتِ ارادی۔ قوتِ فیصلہ، قوتِ عمل، آسائشِ دُنیا، دُنیا کا مال و اسباب، اولاد، خاندان وغیرہ۔ غرض کہ سب کچھ ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور ان کی ہی عطا کردہ ہے۔ وہی مالک و خالق ہے۔

ملکیت یعنی ہم ہر ضرورت کے لیے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کا فرمان ہے کہ :۔

وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد پ۲۶) اور اللہ بے نیاز ہے، اور تم محتاج ہو۔

اور ہماری ملکیت کسی شے پر نہیں۔ حتیٰ کہ ہم اپنی جان کے بھی مالک و مختار نہیں۔ زندگی کے سانس بھی مقرر شدہ ہیں۔ اس میں کمی و بیشی ممکن نہیں۔ اسی طرح رزق بھی مقرر اور طے شدہ ہے۔ پھر یہ کہ زندگی بھی طے شدہ معمول پر گزارنی ہوگی۔ اور رزق بھی حلال اور پاکیزہ حاصل کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت بھی ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اس کے حصول کا طریقہ اور اس کے خرچ کا طریقہ ہمیں تعلیم فرما دیا ہے۔

دنیاوی دولت جو انسان کے پاس ہے اور جس کو وہ اپنی ملکیت تصوّر کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ بھی ملکیت نہیں ہے ایسا سمجھنا خود کو دھوکہ دینا ہے۔

فرض کر لیں یہ ملکیت بھی ہے تو کتنے دن کی ہے۔ موت کے ساتھ ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر مالک ہے تو لازم ہے کہ مال اپنے ہمراہ قبر میں لے جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا اس سے ظاہر ہوا کہ ملکیت کا تصوّر ہی غلط ہے۔

ورثاء ہر شخص اپنے وارثوں کے لیے مال چھوڑ کر اپنے اعمال ساتھ لے کر رخصت ہو جاتا ہے۔ مال دُنیا میں رہ جاتا ہے۔ وبال اور حساب کتاب ساتھ چلا جاتا ہے۔

میرے حضرت شیخ مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ :۔

"حلال ہے تو حساب ہے۔ حرام ہے تو وبال ہے۔"

گویا ہر صورت میں مالِ دُنیا جو دُنیا میں ہی رہ جاتا ہے آخرت میں ہر حال تکلیف دہ ہے۔ حرام کا وبال تو جو بھی ہو، حلال کا حساب دینا بھی آزمائش ہے۔

حدیث ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ایک بار حضورِ محسنِ انسانیت، فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص سے واقف

اپنے وارثوں کے مال کی حفاظت کر رہا ہے۔ تین بار ارشاد فرمایا صحابہ کرامؓ نے نفی میں جواب دیا۔ جس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنے وارثوں کے مال کی حفاظت کر رہا ہے۔ یعنی تمہارا تو صرف وہ ہے جو کھا لیا۔ پہن لیا یا خیرات کر دیا۔ کھانا اور لباس تو دنیا ہی میں ختم ہو گیا۔ البتہ خیرات ایسی چیز ہے کہ جس کا اجر آخرت میں ملے گا۔

ان تین صورتوں کے علاوہ جو کچھ بھی مال اسباب جائداد وغیرہ ہے سب وارثوں کے لیے ہے اور ہر انسان اپنے وارثوں کے مال کی حفاظت کر رہا ہے۔ نہ صرف حفاظت بلکہ جائز ناجائز، حرام حلال کا فرق مٹا کر اس میں اضافہ کا خواہشمند اور کوشاں ہے۔

دوڑ

انجام پر نگاہ نہیں بس ایک دوڑ ہے۔ یہی فکر ہے کہ مالدار ہو جاؤں خواہ کیسی صورت سے ہو اور کوئی نتیجہ نکلے۔

حد یہ ہے کہ انتہا درجہ غلط اور تعلیمات اسلامی کے منافی ایسے آدمی کو بڑا آدمی کہا جاتا ہے۔ یعنی جتنا دولت مند ہے اتنا ہی وہ بڑا ہے۔ عام طور پر تحریر و تقریر میں لوگ روزمرہ کہتے ہیں کہ فلاں بڑا آدمی ہے۔ یعنی بڑا دولت مند ہے۔ حالانکہ بڑا وہ ہے جو ایمان اور تقویٰ میں بڑا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اہل تقویٰ بڑے آدمی ہیں۔ یعنی ان کا اکرام و عزت ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات پ۲۶) بالتحقیق اللہ کے ہاں اس کی بڑی عزت ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

مال و دولت تو محض انسان کو امتحان اور آزمائش کے لیے دی گئی ہے کہ وہ اسے اللہ کی امانت سمجھ کر اس کی منشا کے مطابق خرچ کرتا ہے یا اس کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر کے خیانت کرتا ہے۔

غرض کہ ہم اپنی کسی شے پر اپنی مرضی و منشا کے مطابق خرچ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ ہماری حیثیت امین کی ہے اور ہمیں مالک کی ہدایت کے مطابق خرچ کرنا ہے۔

انعام

دولت، روپیہ پیسہ بھی ہے۔ صحت اور قوت بھی اور قوتِ عمل بھی۔ تمام نعمتیں جو ہمیں عطا فرمائی گئی ہیں ہم ان سب کے امین ہیں ان کو خرچ کرنے کے لیے ہمیں مالک کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

چونکہ اللہ جل شانہٗ نے تمام انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے :۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّٰریٰت پ۲۷) اور میں نے جن اور انسان تو اس لیے پیدا کئے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس لیے تمام قوتیں اور نعمتیں اسی مقصد کی تکمیل میں خرچ ہونی چاہئیں۔

مصرف

دنیاوی دولت کا سب سے بہترین مصرف خدمتِ خلق اور تبلیغِ دین ہے اس میں جسمانی، زبانی، عملی اور مالی ہر قسم کی دولت خرچ کی جا سکتی ہے۔ دامے، درمے، قلمے، سخنے، قدمے، غرضیکہ ہر صورت میں خدمتِ خلق اور تبلیغِ دین ہونی چاہیئے۔

خدمتِ خلق

خدمتِ خلق افضل عبادتوں میں سے ہے۔ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ اسی لیے انبیاء و اولیاء اس معاملہ میں پیش پیش ہیں۔ اکابرین سلف میں ہر شخص خدمتِ خلق کا بذاتِ خود ایک ادارہ ہوتا تھا اور قرونِ اولیٰ میں ہر مسلمان اس سلسلے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتا تھا کیونکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تو فرائض میں سے ہیں۔ اصل عبادت تو خدمتِ خلق ہے۔ جس طرح ہم اس ملازم کو اچھا سمجھتے ہیں جو ہماری اولاد کو زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اس کی خوب نگہداشت و پرداخت کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ جلّ شانہٗ بھی اسے زیادہ محبوب رکھتے ہیں جو اس کے بندوں کے زیادہ کام آتا ہے۔

تبلیغِ دین

تبلیغِ دین بھی ایک فرضِ کفایہ ہے اور جب لادینی عام ہو جائے تو اس وقت یہ فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"جب لادینی عام ہو جائے تو دین کو رواج دینے کے لیے ایک کوڑی خرچ کرنا اللہ کی راہ میں لاکھوں خرچ کرنے کے برابر ہے۔"

آزمائش

قرآنِ حکیم میں خدمتِ خلق و تبلیغ دین کے متعلق واضح احکامات موجود ہیں کہ یہ دولت کا بہترین مصرف ہیں۔ اس کو جمع رکھنا، اس کی محبت میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے، کیونکہ بموجب احکامِ ربانی :۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن پ۲۸) تمہارے اموال و اولاد بس تمہاری آزمائش کے لیے ہیں۔

اس ارشادِ ربانی کے ذریعہ ان لوگوں کی غلط فہمی دُور کی گئی ہے، جو بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مال و دولت انہیں عیش و عشرت کے لیے دیئے گئے ہیں کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ حالانکہ ان نعمتوں کے ذریعہ حق تعالیٰ ان کو آزماتا ہے کہ وہ انہیں اپنی مرضی و منشا کے مطابق خرچ کرتا ہے یا اس کے لیے اس نے جو شرائط یا حدود مقرر کی ہیں۔ ان کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ مال و اولاد کا اگر صحیح استعمال کیا جائے تو یہ عین عبادت ہے اور ایسے لوگوں کے لیے

وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (تغابن)۔ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

لیکن اگر ان سے غلط اور بے جا قسم کا کام لیا گیا تو یہی تمہارے حق میں مصیبت بن جائیں گے۔

خیرات

دولت کے صحیح مصرف کا اندازہ اس تاکید سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ خُدا کی راہ میں وہ چیز دو جو تمہیں اس سے زیادہ عزیز ہو۔ عام طور پر انسان کے نزدیک مال و دولت ہی سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں :۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط (النساء) جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے۔ نیکی میں ہرگز کمال حاصل نہ کر سکو گے۔

محبوب چیز کے تحت ہر وہ چیز آجاتی ہے۔ جسے انسان عزیز رکھتا ہے۔ جیسے مال و دولت، عزت و حکومت، وقت اور قوت وغیرہ۔ اس کے ساتھ مقدارِ خیرات و صدقات کا بھی تعین فرما دیا کہ :۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ ۲۷) لوگ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ خیرات میں کتنا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جتنا (ضرورت سے) زائد ہو۔

یعنی اس سے کسی حق دار کا حق ضائع نہ ہو۔ اور اپنے ضروری اخراجات میں تنگی نہ ہو۔ اس کے بعد جو کچھ بچے وہ دینے والے کی امانت ہے۔ وہ اس کے مستحقین میں تقسیم کر دی جائے اور پھر اس خرچ کا نہ اللہ پر احسان جتاؤ، اور نہ ان پر احسان جتاؤ، جن پر خرچ کرو۔ کیونکہ یہ تو سراسر تمہاری بہتری کے لیے ہے۔

اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ۔ (تغابن ۲/۲) اور اپنی بہتری کے لیے خرچ کرتے رہو۔

یعنی آخرت والی بہتری کے لیے خرچ کرتے رہو۔ جتنا خدا کی راہ میں خرچ کرو گے اتنی بہتری ہوگی۔

مزید تسلی

انسان طبعاً بڑا حریص واقع ہوا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت تنگی محسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ ضائع جا رہا ہے اور اس کا کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس شیطانی وسوسے کو دُور کرنے کے لیے مولا کریم فرماتے ہیں کہ :۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ (انفال ۸/۲) اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے گا اور تمہارے لیے ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔

یعنی تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔ تمہیں اس کا پُورا پُورا معاوضہ ملے گا۔

اس لیے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے روپیہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ آخرت میں اس کے اپنے ہی کام آتا ہے یہ روپیہ وہاں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس پر مولا کریم دس سے سات سو تک منافع عطا فرماتے ہیں اور وہ دن بدن بڑھتا رہتا ہے۔ بخلاف اس کے جو دولت انسان محنت و مشقت سے جمع رکھتا ہے اور اسے عزیز از جان سمجھتا ہے وہ بالآخر اس کے کام نہیں آتی۔ کیونکہ وہ بعد وفات ان ورثا میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ جن کو مرنے والا اپنی زندگی میں ایک پیسہ تک دینے کا روادار نہ تھا۔ اس لیے بہتر ہے کہ انسان اپنی کمائی ہوئی دولت خدمتِ خلق و دین پر خرچ کرے تاکہ وہ اس کے اپنے کام آئے۔ وبال جان نہ بن جائے۔ کیونکہ اگر اس نے اللہ کی اس امانت کو اس کی منشاء کے مطابق خرچ نہ کیا تو وہ دو طرح سے وبال جان بن سکتی ہے۔ اوّلاً اس طرح کہ اگر اس کے ترکہ کا ورثا نے غلط اور ناجائز استعمال کیا تو اس کا خمیازہ بھی مرنے والے کو بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی جمع کردہ دولت ان کی بُرائی کا سبب بنی۔ ثانیاً آخرت میں وہ اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔ جس کا قرآن کریم میں متعدد بار مختلف انداز میں ذکر آیا ہے۔ مثلاً :۔

ارشادِ باری تعالےٰ

(۱) زَمْ، مال کو جی بھر کر پیار کرتے

ہو۔ اور اس کا مال اس کے رہ گیا، کام نہ آئے گا۔ جب عذاب کے گڑھے میں گرے گا" (اللیل، پ۳۰)

(۲) جس نے مال سمیٹا اور گن گن کر رکھا رہ گیا، خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ ہرگز نہیں۔ وہ پھینکا جائے گا۔ اس روندنے والی میں اور تو کیا سمجھا کون ہے روندنے والی؟ وہ ایک آگ ہے۔ اللہ کی سلگائی ہوئی جو جھانک لیتی ہے دل کو" (ہمزہ، پ۳۰)

(۳) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر جمع رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ آپ ان کو بڑے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں، وہ اس دن ہوگا۔ جس دن ان (سونے چاندی) کو اول جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا۔ پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو جس کو جمع کر کے رکھا تھا۔" (توبہ رکوع ۵)

قرض حسنہ

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں سے کس قدر محبت فرماتے ہیں۔ کس اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ ہے اپنی چیز اپنی عطا اور اپنے ہی غلام سے خطاب اور کتنی عزت اور اخلاق کے ساتھ فرماتے ہیں۔

إِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(التغابن پ - ۲) اگر اللہ کی راہ میں اخلاص و نیک نیتی سے مال خرچ کر کے تم اللہ کو اچھا قرض دوگے تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھاتا رہے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اللہ بڑا قدردان، بردبار ظاہر و باطن کو جاننے والا اور زبردست حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ دولت دنیا اپنے غلام و مخلوق سے خود ہی قرض طلب فرماتے ہیں۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ اس میں اضافہ فرما کر لوٹا دیں اور اس کے انعام میں گناہوں کو معاف فرما دے۔

عطا و کرم

گویا عطاء انعام کا ایک ذریعہ ہے۔ اب یہ نفع پر داروں کا حصہ ہے جو فائدہ اٹھائے کاش یہ مفت کا انعام حاصل کرنے کی توفیق ہم سب کو ہو۔

خیرات کرنا

مالی اور جسمانی دونوں نفل، سنت، اور واجب و فرض بھی ہے۔ سنت تو ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ (نفل) آنحضرت ﷺ اپنی قرض لے کر بھی ضرورت مند کی حاجت روائی فرمایا کرتے تھے۔ فرض اس لیے کہ اس کا حکم قرآن حکیم میں ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیات کریم سے ظاہر ہے۔

قرآن کریم کا ہر حکم جو مسلمانوں اور مومنوں کے لیے ہے اس کی تعمیل فرض ہے۔ زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا والدین کی اطاعت و خدمت کرنا، نظریں نیچی رکھنا یعنی نامحرم کو نہ دیکھنا، عورتوں کو پردہ کرنا، لوگوں سے اخلاق سے پیش آنا۔ تجارت میں دیانتداری رکھنا۔ گواہی و شہادت کے لیے تیار رہنا۔ وعدہ کا ایفا کرنا، حلال کسب کرنا۔ حرام کمائی سے بچنا وغیرہ۔ یہ سب احکام تعمیل کے لیے فرض کا درجہ رکھتے ہیں۔ خیرات بھی اسی طرح فرض ہے۔

غیر مالی خدمت

جسمانی طور پر کسی کی غیر مالی خدمت کرنا مثلاً کسی کو راستہ بتانا کسی کی تیمار داری کرنا کسی کا جنازہ کے انتظام میں حصہ لینا یا کسی کو مشورہ دینا اور مخلوق کی خدمت کرنا، مالی حقوق ادا کرنا ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:-

ترجمہ:- "قریبی رشتہ دار کو اس کا حق مالی و غیر مالی دیتے رہنا" (القرآن)

گویا نہ صرف روپیہ پیسہ ہی دینا خیرات کرنا ہے بلکہ غیر مالی حق کے طور پر اخلاق حسنہ اور خدمت بھی لازم ہے اور یہ بھی قرابت داروں کا حق ہے۔ غیر مالی حق یہی خدمت ہے جو بہتر اور اعلیٰ صورت میں اس طرح ہوگی کہ آپ اپنے عزیزوں، دوستوں اور ہمسایوں کو دنیاوی خدمت کے ساتھ ساتھ نیکی کی طرف رجوع کریں۔ برے کاموں کو چھوڑنے کی تلقین کریں۔ اسراف و تبذیر سے بچنے کی راہ دیں اور رسومات اور غیر شرعی حرکات کو ختم کرنے کا مشورہ دیں۔ کوشش اور جد و جہد کریں۔

حق ادا کرنا

خواہ بظاہر اس میں کامیابی نہ ہو لیکن کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ کوشش کرنے والا اپنی ذات میں کامیاب و کامران ہے۔ کوشش کرتے رہنا ہی حق ادا کرنا ہے۔ نیت کا

علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہوتا ہے۔ وہی اجر عطا کرنے والے ہیں۔ جس نے خلوصِ نیت کے ساتھ عمل و کوشش جاری رکھی وہی مراد کو پہنچے گا۔

جس کو دنیاوی دولت یعنی روپیہ کی گنجائش حاصل نہ ہو وہ صرف جسمانی خیرات یعنی خدمت کر کے حق ادا کرے گا۔ لیکن جس شخص کو مال و زر حاصل ہے اسے دونوں صورتوں میں عمل کرنا ہوگا۔ اور نقد خیرات بھی کرنی ہوگی کہ یہ ہی مفہوم قرآنِ حکیم کا ہے۔

قبل موت

نیک کاموں میں خرچ کرنا یعنی خیرات کرنا اور جلد از جلد کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ :-

ترجمہ :- ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے۔ اس میں سے اس سے پہلے پہلے (راہِ خدا) میں خرچ کر دو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو۔

(المنافقون ۲۸/۲)

اچھی چیز

خیرات کیا چیز کی جائے اور کس کو دی جائے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ :-

اپنی کمائی سے ستھری چیزیں خرچ کرو اور تمہارے واسطے زمین سے جو کچھ ہم نے عطا کیا ہے :-

اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔

(البقرہ ۳۷/۳)

ان میں سے بھی ستھری یعنی عمدہ اعلیٰ بہترین چیز خیرات کرو۔

کس کو دو

مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (البقرہ ۲/۲)

جو کچھ مال تم خرچ کرو۔ وہ ماں باپ کے لیے قرابت والوں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

کس طرح دو

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (البقرہ ۲/۳)

اگر ظاہر کر کے دو تو اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔

احسان و ایذا سے بچو

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ (البقرہ ۳۶/۳)

احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر خیرات ضائع نہ کرو۔

ریاکاری نہ کرو

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (بقرہ)

اور نہ اس شخص کی طرح خیرات ضائع کرو جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا اور اللہ تعالیٰ و روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتا۔

اہمیت

خیرات کی اہمیت واضح ہے۔ خیرات صدقات کے فوائد بے شمار ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم اپنے مفاد اور اپنی آخرت کے معاملہ کو چھوڑ کر دنیاوی نام و نمود میں لگ گئے ہیں۔ افسوس، افسوس، "بے شک انسان نقصان میں ہے"۔ سورہ والعصر کا ترجمہ تلاوت کر لیں۔ انسان کا نقصان اور اس نقصان سے محفوظ رہنے کا طریقہ معلوم ہو جائے گا۔ ہم میں ہزاروں افراد ایسے ہیں جو شادی و بیاہ میں چند روزہ دھوم دھام اور نام و نمود کے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ اگر ان خرچ کرنے والوں سے یہ درخواست کی جائے کہ کچھ رقم خیرات کر دیں تو ان کا دم فنا ہو جائے گا۔ حالانکہ خوشی کے موقعوں پر احسانِ خداوندی کے اظہار اور شکرانے کے طور پر یوں بھی خیرات کرنی لازم ہے۔ پھر صدقہ بھی ضروری ہوتا ہے لیکن اس طرح کی کوئی مد اس خرچ میں نہیں نکلتی۔

اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ ورنہ بظاہر تو بڑی چھوٹی سی بات ہے کہ لاکھوں خرچ کر رہے ہیں۔ اگر چند ہزار یا صرف ایک ہزار راہِ خدا میں خیرات کر دیا جائے تو کیا فرق پڑے گا۔

آداب

بہتر ہے کہ خیرات چھپا کر دے۔ اپنے داہنے ہاتھ سے اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔ صبر و قناعت ہو تو دینے والے کی راہ میں سب کچھ لٹا دے۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ گھر میں جو کچھ بھی تھا، ایک دفعہ سب کچھ لا کر سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا۔ جب پوچھا گیا کہ اپنے لیے کیا رکھا ہے تو انتہائی مسرت کے ساتھ فرمایا :-

اللہ اور اللہ کا رسول

ایسا نہ کر سکے تو اپنی جائز ضروریات سے جو بچے وہ خیرات

کر دے۔ اس کی بھی ہمت نہ ہو تو جس قدر مناسب حال ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اگر بوجہ مفلسی و تنگ دستی کچھ بھی نہ دے سکے تو جس چیز پر قدرت حاصل ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے جیسے بقول امام غزالیؒ

"بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا، حاجت کے وقت محتاج کی مدد کرنا یعنی کسی مزدور کا بوجھ بٹا لینا، سہارا دے دینا، سعی و سفارش سے کسی کا جائز کام نکلوا دینا، نیک بات کہہ دینا، ہمت بندھانا، ڈھارس دلانا وغیرہ"۔

بہر حال سائل کو خالی واپس نہ کرے۔ اگر اور کچھ نہ ہو تو روٹی کا ایک ٹکڑا ہی دے دے۔ یہ بھی نہ ہو تو اس کے حق میں کلمۂ خیر ہی کہہ دے۔ اسے سخت و سست نہ کہے۔ نہ اسے جھڑکے، جو چیز بھی دینا چاہے سائل کو ہاتھ میں آرام و اطمینان سے دے۔ اس کی طرف اس طرح نہ پھینکے جیسے کتے کو لقمہ پھینکا جاتا ہے۔

محلِ خیرات بہتر تلاش کرے۔ والدین، اقرباء، یتیم و مسکین، مسافر و فقیر کے علاوہ طالبِ دین، پرہیزگار عالم، نیک بخت، عیال دار اور ایسے لوگ جو حاجت مند ہونے کے باوجود دستِ سوال دراز کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

مساجد، مدارس دینیہ اور امورِ رفاہیہ پر خرچ کرنا افضل ہے۔ ان کے لیے جو کچھ چندہ وغیرہ دینا ہو تو وہ خود پہنچا دیں اور اگر ان کی طرف سے کوئی لینے کے لیے آئے تو اسے جلدی سے دے کر فارغ کر دیں۔ ٹال مٹول نہ کریں۔ اسے چکر نہ کٹوائیں، کیونکہ اسے بار بار آنے کی تکلیف کا وبال خیرات کی قدر و قیمت گھٹا دیتا ہے اور مولا کریم کی ناراضی کا موجب بنتا ہے۔ کیونکہ جب اس نے آپ کو سب کچھ از خود دے رکھا ہے تو آپ اس میں سے اس کے نام پر دیتے وقت کیوں سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

جس طرح ایک سرمایہ دار روزانہ کچھ نہ کچھ بنک میں جمع کرنے اور زیادہ سے زیادہ سُود حاصل کرنے کے لیے حریص رہتا ہے۔ اسی طرح آپ کو بھی آخرت کے بنک میں بمد خیرات و صدقات ضرور کچھ نہ کچھ جمع کراتے رہنا چاہئے۔ سرمایہ دار سُود خوار تو اپنا سب کچھ یہاں چھوڑ جائے گا اور آخرت میں مفلس و قلاش ہوگا۔ مگر آپ کا تمام اندوختہ، مع ایک سے سات سو گنا تک وہاں پہنچتے ہی ٹریولنگ چیک کی طرح وصول ہو جائے گا۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ط وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ط وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (المزمل ع ۲)

اور تم لوگ نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ جل شانہٗ کو قرض حسنہ دیتے رہو اور جو نیکی تم اپنے لیے ذخیرہ بنا کر آگے بھیج دو گے۔ اس کو اللہ جلّ شانہٗ کے پاس جا کر اس سے بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ تعالےٰ سے گناہوں کی معاف کراتے رہو۔ بے شک اللہ جلّ شانہٗ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں عقلِ سلیم عطا فرمائے اور نیک و بد کی تمیز عطا فرمائے اور ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حکومت کیسے مستحکم ہو؟

محمد انور قریشی صاحب

کیا آپ جانتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے خالق، شہنشاہ اور قادرِ مطلق ہیں۔ جس قوم یا جماعت کو چاہیں حکومت، غلبہ اور عزت عطا کریں۔ اگر وہ نااہل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے حکومت چھین لیں گے۔ ہر مسلمان چاہتا ہے کہ ملک ترقی یافتہ، دولت مند اور قوی ہو۔ دشمن کے خوف سے نجات، امن کی فضا اور حکومت مستحکم ہو، کیونکہ حکومتوں کے بار بار بدلنے سے ملک اندرونی طور پر کمزور ہو جاتا ہے اور غیر ممالک میں اُس کا وقار اُٹھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکومت کو قوی اور ملک کو دولت مند بنانے کے متعلق قرآنی احکام یہ ہیں:۔

۱۔ "اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے۔ ان کو زمین پر حکومت عطا فرمائیں گے جس طرح ان سے پہلے نیک لوگوں کو دی تھی۔ اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے اُس دین اسلام کو قوت دیں گے۔ ان کے لیے یعنی حکومت کو طاقت دینے کے لیے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ بشرطیکہ وہ اللہ کی عبادت کرتے رہیں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں" (۵۵۔ سورہ نور)

۲۔ "آپ فرمائیں کہ اے اللہ آپ تمام ملکوں کے مالک یعنی شہنشاہ ہیں۔ جس کو آپ چاہیں عزت اور غلبہ دیتے ہیں اور جس کو چاہیں ذلیل کرتے ہیں"۔ (۲۶۔ سورہ آل عمران)

۳۔ "اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کریں گے جو اللہ کی یعنی دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والے اور غالب ہیں (یعنی جس کو چاہیں غلبہ اور عزت دیں)" (۴۰۔ سورہ حج)

۴۔ "اے ایمان والو! اگر تم سب اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہارے قدم جما دیں گے۔" (۷۔ سورہ محمد)

دین کو قوت دینے سے حکومت کو قوت ملتی ہے

اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکومت دینے کی ضمانت دی ہے۔ بشرطیکہ مسلمان ایمان لانے کے بعد کامل اطاعت کرے اور کبیرہ گناہوں حرام افعال اور فحاشی سے بچیں۔ حکومت کی عطا صرف اللہ و رسول کی کامل اتباع کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکومت کو قوت دینے کے لیے دین کو قوت دینا لازم قرار دیا ہے۔ دین پر قائم قوم کے دل سے ہر طرح کا خوف اُٹھ جائے گا۔ ملک میں امن و امان ہوگا اور قوم خوش حال ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ عبادت کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ متبع قوم کے ہر فرد اور حکومت کو ظاہری اور باطنی امداد کا یقین دلاتے ہیں۔ پس جو حکومت دین کی مدد کرے گی اللہ تعالیٰ اُس کے قدم جما دیں گے۔

اس کے برعکس اگر قوم دین سے بے پروا، غافل اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گی تو یہ طرزِ عمل، قوم کی بدحالی اور حکومت کی کمزوری کا باعث ہوگا۔ مسلمان اللہ کی نصرت سے محروم ہوں گے اور دشمن کا غلبہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اقوام کی ہمیشہ سے یہ سازش اور کوشش رہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں میں دینی جذبے اور رجحانات کو کمزور کر دیا جائے اور نوجوانوں کو فحاشی، آرٹ و کلچر وغیرہ کی بے ہودہ مصروفیات میں اُلجھا کر دین سے دُور کر دیا جائے۔ اس کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اسلام کے مذہبی، معاشرتی اور معاشی اصول فرسودہ ہو چکے ہیں اور ان پر چل کر اس جدید زمانہ میں مسلمان ترقی پذیر (پروگریسو) نہیں ہو سکتا، حالانکہ یہ سب بے بنیاد اور دین سے گمراہ کرنے کی باتیں ہیں۔

غیر مسلم اقوام کی یہ سازش بھی رہی ہے کہ اسلامی حکومت دین اور دین دار لوگوں سے اُلجھتی رہے۔ ان کے خلاف محاذ آرائی کرے اور ان کو عاجز رکھے۔ حکومت کو محتاط رہنا چاہئے اور دین کو اپنا کر لوگوں کے دلوں کو موہ لے اور اس طرح عظیم اخوت پیدا کرے۔ مندرجہ بالا آیات اور حالات کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم محض زبانی طور پر دین کے حامی نہ ہوں بلکہ دل سے اُسے ضروری سمجھیں اور اس کا احترام کریں اور عملی زندگی اس کے احکام کے مطابق گزارنے کی پوری سعی کریں۔ دین کے بگاڑنے کی ہر کوشش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

دین کو قوت دینے کا طریقہ

سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے دین کو قوت دینے کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے :-

"ان لوگوں کو اگر ہم دُنیا میں حکومت دے دیں تو وہ نماز کی پابندی کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ اور دوسروں کو نیک کام کرنے کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے" (۴۱۔ سورۂ حج)

یعنی لوگوں کے دلوں میں دین کی عظمت پیدا کرکے شرعی احکام نافذ کریں گے اور لوگوں کو قوانین کا پابند کر کے بُرائی سے روکیں گے۔ اصلاح معاشرہ کے لیے باطنی اصلاحات اور سخت قوانین کی ضرورت ہے۔

باطنی امداد

اللہ تعالیٰ کی باطنی امداد اور انعامات میں محبت، اخوت، اتحاد، ایثار و قربانی کا جذبہ اور اعلیٰ درجے کی لیڈر شپ پیدا کرنا ہے۔ جس سے معاشرہ ہر قسم کے نفاق اور باہمی اختلافات سے پاک ہو جاتا ہے۔ جنگ میں فرشتوں کے ذریعے نصرت اور غیر مسلم ممالک کے شر اور فتنوں سے حفاظت ملتی ہے۔ تسکینِ قلب اور خوش حال زندگی عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ انعامات میری عطا ہیں اور دُنیا کی ساری دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

دولت اور قوت پر قوت دینے کا وعدہ

ملک کو مادی امداد، دولت اور قوت دینے کا وعدہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے :-

۱۔ "اگر بستی والے یعنی قوم ایمان لے آتی اور تقویٰ اختیار کرتی تو یقیناً ہم آسمان اور زمین سے ان پر برکتوں کے خزانے کھول دیتے" (۹۶۔ سورۂ اعراف)

۲۔ "اور جو شخص یا (حکومت) پرہیز گار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دیں گے" (۴۔ سورۂ طلاق)

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا مومن اور متقی لوگوں سے اپنی نعمتوں کی عطا کا وعدہ کیا ہے۔ پس اگر ہم متقی بن جائیں۔ ہم میں اسلامی جذبہ، بیداری اور دین میں استقامت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بے پناہ سماوی اور ارضی نعمتوں سے نوازیں گے اور حکومت کے کاموں میں کامیابی اور آسانی کی راہ کھول دیں گے۔ مثلاً آسمان سے بروقت رحمت کی بارش سیلاب کی بجائے دریاؤں اور ڈیمز کا مفید پانی، زرعی پیداوار میں اضافہ، سیم اور تھور کی بجائے زمین کے نیچے سے میٹھے پانی کے ذخیرے، گیس، تیل اور دیگر معدنیات سونا، چاندی، تانبہ لوہا وغیرہ۔ عرب ممالک کو صرف ایک تیل کی نعمت نے مالا مال کر دیا ہے۔ مگر پاکستان تو ایسی متعدد دولتوں سے بھرپور ہے۔ صرف اللہ کی طرف سے ان کے عطا کے حکم کی دیر ہے۔

ہم میں تارک نماز، راشی اور مرتشی، شرابی، بدکار، جھوٹے سود لینے اور دینے والے، ٹیکس چرانے والے بددیانت، ناحق کی وکالت کرنے والے، بلیک مارکیٹ اور ملاوٹ کرنے والے نہ رہیں۔ کیونکہ یہ لوگ متقی نہیں ہیں۔ اگر ہم سب گناہوں سے توبہ کرکے دین کی طرف رجوع کریں تو اللہ تعالےٰ کا قوت پر مزید قوت دینے کا وعدہ ہے۔

۱۔ "اے میری قوم تم اپنے گناہ اپنے رب سے بخشواؤ پھر اُس کی طرف رجوع رکھو یعنی عمل صالح کرو۔ وہ خوب بارشیں برسائیں گے اور تمہاری (موجودہ) قوت پر اور زیادہ قوت دیں گے اور مجرم رہ کر اعتراض نہ کرو" (۵۲۔ سورۂ ہود)

۲۔ "تم اپنے رب سے گناہ بخشواؤ۔ یقیناً وہ بخشنے والے ہیں۔ آسمان سے کثرت سے تم پر بارشیں بھیجیں گے اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دیں گے اور تمہارے لیے باغات لگا دیں گے اور تمہارے لیے نہریں بہا دیں گے۔ تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو" (۱۳۔ سورۂ نوح)

اللہ تعالیٰ کا یہ اصول کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔ کہ کوئی مصیبت گناہوں کے بغیر نازل نہیں ہوتی اور نہ توبہ کے بغیر زائل ہوتی ہے۔ اس لیے قوم کو ندامت کے ساتھ استغفار

کرنا ضروری ہے۔ یہ جنگیں، سیلاب، زلزلے، قحط وغیرہ ملک کی زبردست تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے اللہ سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ یہ مصائب اتفاقیہ وقوع میں نہیں آتے۔

یہاں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ارضی دولت کے حصول کے لیے دنیاوی کوشش ضروری نہیں، بلکہ پلاننگ، ریسرچ، تدبیر اور پوری استطاعت کے ساتھ محنت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جب تک کوئی ملک خداداد ذرائع سے دولت مند نہیں ہوگا۔ وہ قوم کی مالی حالت کو کیسے اور کتنا بہتر بنا سکتا ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا جب قوم میں پرہیزگاری، اعلیٰ کردار اور انصاف عام ہوگا۔

انصاف سے بقا ہے

۱۔ ”حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ حکومت کبھی قائم نہیں رہ سکتی“ (جامع صغیر)

۲۔ ”کسی خاص گروہ کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف قائم نہ کرو“ (۸۔ سورۂ مائدہ)

اللہ تعالیٰ نے انصاف کا سختی کے ساتھ حکم دیا ہے۔

اور انصاف کو عملی صورت دینے کے لیے لوگوں کے حقوق ان تک پہنچانا ہر حکومت کا فرض ہے۔ یہاں تک کہ دوست و دشمن مسلمان اور کافر، کالے اور گورے، غریب اور امیر کے درمیان مکمل انصاف کرنے کا حکم ہے۔ بے انصافی ظلم ہے۔ خواہ وہ کسی کے ساتھ ہو۔ اور اس کی بڑی وجہ اللہ کے احکام سے لاپرواہی اور تکبر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

۱۔ ”مظلوم کی صدا سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے“ (بخاری)۔

۲۔ ”اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب عادل حاکم ہے اور سب سے زیادہ نفرت ظالم حاکم سے ہے“ (احمد)۔

۳۔ ”مجھے اپنی امت میں گمراہ حاکموں کے تسلط کا خطرہ ہے“ (ابوداؤد)۔ حدیث میں ہے کہ مظلوم کی دعا رد نہیں ہوتی۔ اس کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قسم ہے اپنی عزت کی میں تیری مدد کروں گا۔ اگرچہ کچھ دنوں کے بعد کیوں نہ ہو۔ متکبر اور ظالم کا ساتھ اقتدار بہت کم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ظالم اور بے دین سے نفرت ہے۔ ایسی جماعت یا فرد کو استحکام نہیں۔ ہر اسلامی ملک کے استحکام کے لیے ظلم سے پاک معاشرہ اشد ضروری ہے اس میں حاکم اور رعایا دونوں کی بھلائی اور بقا ہے۔

اللہ کی پارٹی اور غلبہ

رب العزت کا ارشاد ہے:۔ ”اور جس نے اللہ کو دوست بنایا اور اس کے رسول کو اور مومنوں کو پس یہ اللہ کا گروہ یعنی پارٹی ہے۔ یہی غالب رہے گی“ (۵۶۔ سورۂ مائدہ)۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ اصول واضح کر دیا ہے کہ وہی پارٹی غالب رہے گی جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کو جن میں اسلامی ممالک شامل ہیں دوست بنائے گی۔ تینوں سے سچی محبت اور خلوص کا عملی ثبوت ساری قوم کے ایک اور نیک ہونے میں ہے۔ حاکم اور رعایا استاد اور طالب علم، تاجر و ورکر، امیر و غریب سب میں اخوت اور اتحاد ضروری ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور کامیاب لیڈر شپ کی پہچان ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دوستی کی عظمت کا احساس نہیں۔ اللہ جل جلالہ ذی قوت اور مالک کائنات ازل تا ابد قائم و دائم۔ احکم الحاکمین ہیں اور ان کی دوستی بھی مستحکم ہے۔ اس کے برعکس غیر مسلم ممالک کے نئے سربراہوں کے ساتھ حکومتیں بنتی، بگڑتی اور بدلتی رہتی ہیں اور اکثر ان کی پالیسی بھی ان کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں ان سے سفارتی تعلقات رکھنے ہیں اور جہاں مفید ہو مالی اور اقتصادی روابط بھی رکھے جائیں۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ یہ تعلقات ہمارے دینی مقاصد کے ساتھ متصادم نہ ہوں اور نہ ہی بحیثیت قوم کے ہماری خودداری اور علاقائی حقوق مجروح ہوں۔ —— پس مسلمان کو کبھی بھی دنیاوی دوستی کو اللہ کی دوستی پر ترجیح نہیں دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی دوستی دائمی اور کروڑہا درجہ زیادہ قوت دینے والی ہے۔ مسلمانوں نے بڑے ملکوں کو خوش کرنے کے لیے بے انتہا کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کیا؟ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے حال جانتے ہیں۔ ان کے ساتھ سیاست نہیں چل سکتی۔ ہم عالم الغیب کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ان سے ٹال مٹول نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ملحوظ رکھنا اور اُن سے ڈرنا، مشورہ، احکام کا احترام اور نافذ کرنا، اکابر کا خود پرہیزگار بننا اور شعائر عبادات کی ادائیگی، سچی توبہ، معاملات کی خوش اسلوبی، صلہ رحمی، غربا، بیوہ اور یتیموں کی ضروریات کو پورا کرنا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا منشور ہیں اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان پر عمل کرنا ضروری ہے سعودی عرب کی حکومت نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی مسلمان اور حکومت کے لیے بہت بڑا اعزاز بڑی تقویت اور استحکام کا باعث ہے۔

بہترین حاکم

اسلام میں اسلامی حکومت کے خلاف سازش کرنے اور بددعا دینے کو ممنوع قرار دیا ہے، جب تک وہ نماز قائم کرے اور صریحاً کفر نہ کرے، حدیث میں ہے کہ حاکم کے ناجائز فعل کو دل سے بُرا سمجھو، اس کے فعل پر راضی نہ ہو۔ اور اگر قدرت ہو تو اس کی بُرائی اس پر ظاہر کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ تمہارے حاکموں میں بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کے لیے تم دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں اور بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ اور تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں" (مسلم)۔

۲۔ حکمران کو گالیاں نہ دو۔ ان کی اصلاح کے لیے اللہ سے دعا کرو۔ کیونکہ ان کی اصلاح میں تمہارے لیے اصلاح ہے" (یعنی دعا سے اُن کی اصلاح ہوگی اور ملک و ملت کو فائدہ ہوگا)۔ (طبرانی)۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام اور رعایا دونوں کو باہمی محبت اور ایک دوسرے کے لیے بددعا کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ ان کی اصلاح دُعا سے ہو سکتی ہے۔ بددعا سے نہیں۔

اکثر حکام اپنے لیے دعا نہیں کرتے۔ وہ لوگوں کے لیے کیا دعا کریں گے۔ کیا ہمارے اکابر بذاتِ خود بڑے ممالک میں جا کر مالی اور اقتصادی امداد نہیں مانگتے"؟ پھر اللہ تعالیٰ جو شہنشاہِ کائنات ہمارے آقا اور ہر چیز کی عطا پر قادر ہیں ان سے مانگنے میں کیوں عار ہے؟

۱) مصائب کو دُور کرتی ہے۔ تقدیر کو پھیر دیتی ہے رحمت کے دروازے کھول دیتی ہے اور عادل حاکم کی دعا رد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سے نماز میں ملاقات اور بعد میں دُعا تو بہت بڑا اعزاز ہے۔

حکومت کو چاہئے کہ حکام اور ملازمین کے لیے ادائیگی نمازِ جمعہ لازم قرار دے۔ کیونکہ اس کی فضیلت نماز عید سے بھی زیادہ ہے۔ جمعہ کے روز تعطیل ہو۔ جمعہ کے روز سب کاروبار عملاً بند ہوں تاکہ مسلمان نماز جمعہ میں ضرور شامل ہوں اور رب العزت سے اجتماعی طور پر دعا کریں۔ جو مانگے گا نہیں وہ پائے گا کیا؟ پس اصلاح معاشرہ اور استحکام حکومت کے لیے دُعا ضروری ہے۔

مسلمان قوم کے سامنے دو راستے

دنیائے اسلام اور ہمارے سامنے قرآن کے مطابق دو واضح راستے ہیں۔ پہلا راستہ صراطِ مستقیم ہے یعنی پرہیزگار بننا، اعمالِ صالح کرنا، کبیرہ گناہوں سے بچنا۔ قرآنی اصول و حدود کو نافذ کر کے دین کو تقویت دینا۔ جس سے حکومت کو طاقت ملے۔ کاموں میں کامیابی و آسانیاں ہوں۔ اللہ کی بے پناہ نصرت، جنگ میں فرشتوں کا نزول و مدد۔ آسمان و زمین سے برکتوں کے خزانے نصیب ہوں۔ ملک دولت سے مالا مال ہو اور حکومت مستحکم ہو۔ شرط یہ ہے کہ ہم سچے دل سے اطاعت اور عبادت کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں یہ غلط نہیں ہو سکتے۔

دوسرا راستہ قرآنی احکام کو چھوڑ کر غیر مسلم ممالک اور جاہلیت کے اصول و قوانین کو اپنانا، دین سے بے اعتنائی اور لاپرواہی۔ اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات پر بادشاہت حاکمیت، نعمت اور نصرت کو نہ پہچاننا۔ غیر مسلم ممالک کی دوستی کو اللہ کی دوستی پر ترجیح دے کر اللہ کے غضب کو دعوت دینا، مصائب میں مبتلا رہنا اور قوم کی بقا کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

ہم قیامت کی نشانیاں دیکھ رہے ہیں۔ اسلامی ممالک خطرناک فتنوں اور مصائب میں مبتلا ہیں۔ حکومت صحافی، علماء، وکلاء، نوجوان اور جملہ مسلمین کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے۔ کام مشکل نہیں۔ صرف مصمّم ارادے اور استقامت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ واسع المغفرۃ رحیم اور کریم آقا ہیں وہ ضرور ہماری [illegible]

پوری قوم چاہتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ دردبھری صدا آپ تک پہنچ کر ملک کے مسائل کے حل کا ذریعہ بنے گی۔

بقیہ: اداریہ

اوراق تک پر گولیاں چلائیں (احمد پور شرقیہ میں) چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو بے دردی سے مارا۔ لیکن ان ساری چیزوں کے باوجود۔ ع

بڑھتا ہے ذوقِ جرم یاں ہر سزا کے بعد

والا معاملہ نظر آیا اور احتجاجی تحریک میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ اور ہو رہی ہے۔

اس کھیل میں انتظامیہ کے ساتھ پیپلز پارٹی کا مختصر ٹولا برابر کا شریک ہے وہ کسی بھی امکانی شرارت سے گریز نہیں کرتا۔ اور نہتے عوام کی جان و مال سے کھیلنا ان کا من پسند کھیل ہے۔

اس پوزیشن کے بعد آپ کا عوامی مطالبات سے صرف نظر کرنا جتنا افسوسناک ہے اس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

جناب صدر! آپ فرماتے ہیں کہ میں نے آئین کے تحفظ کا عہد کیا ہے اس لیے "غیر آئینی" مطالبات تسلیم نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا ہم یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ جب ایک فرد من مانی کر کے آئین میں حقوق کے حساب سے ترامیم کر کے اس کا حلیہ بگاڑ رہا تھا اس وقت آپ نے اس کا ہاتھ روکا؟ آپ نے اسے سرزنش کی؟ جب تو یہ حالت تھی اور آج آپ آئین کے معاملہ میں اتنے حساس ہو چکے ہیں؟

محترم! ہمیں تسلیم ہے کہ آئین بڑی اہم اور مقدس دستاویز ہوتی ہے لیکن آپ تسلیم کریں گے کہ ملک و ملت اس سے زیادہ مقدس اور عزیز ہیں آج جبکہ ملک کی سلامتی و بقاء کو سنگین خطرات لاحق ہو چکے ہیں تو آئین میں ترمیم کر کے بھی اس کو بچانا ضروری ہے۔ جبکہ واقفان حال کہتے ہیں کہ معاملہ اس کے بغیر بھی آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ آگے بڑھیں اور جس ملک کے صدقہ آپ عزت کے اس مقام پر پہنچے ہیں۔ اس کی بقا و سلامتی کے لیے بلا خوف لومۃ لائم وہ کر گزریں جو

مفتی محمود سے ملاقات پر پابندی کیوں؟

ان سطور کا راقم، جمعیۃ طلباء اسلام کے سیکرٹری جنرل فاروق قریشی، سرگودھا جمعیۃ کے حافظ محمد صادق اور شیخ محمد طارق سمیت ہری پور گیا تاکہ مفتی محمود سے جیل میں ملاقات کر سکیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ ایسا ممکن نہیں حتیٰ کہ ان کے صاحبزادے جناب فضل الرحمٰن اور پرائیویٹ سیکرٹری چودھری محمد شریف صاحب بھی ملاقات نہ کر سکے۔

ہم نے ضلع کے ذمہ دار لوگوں سے بھی بات کی لیکن نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا۔

یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے۔ حضرت مفتی صاحب اس ملک کے ایک ذمہ دار شہری ہیں وہ پوری قوم کی آواز ہیں اور بقاء ملک کی مقدس جنگ میں قافلہ سالار!

اولاً تو ان کی اور ان کے رفقاء کی گرفتاری ہی ایک المیہ ہے اور پھر اس کے بعد ملاقات کے معاملہ میں یہ سلوک، اور بڑا المیہ!

صدر پاکستان کو اس طرف توجہ دینی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ بیت جائے!

آزادی کی قدر

تحریر:- محمد ارشد صدیقی صدر بزم ادب گورنمنٹ کمرشل انسٹی ٹیوٹ وحدت روڈ لاہور

الیکشن کا ہنگامہ گرم تھا۔ میں کمرشل بلڈنگ (مال روڈ) کے شاپ پر بس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ٹیکسیوں، کاروں اور جیپوں پر لوگ سپیکر لگائے اور لہراتے ہوئے جھنڈوں کے ساتھ چیخ چیخ کر گزر رہے تھے۔ وہ اپنے گروپ سے تعلق رکھنے والے طبقہ کی حمایت میں اعلان کر رہے تھے کہ انہیں ووٹ دے کر کامیاب بنائیں۔ مثلاً اصغری کو بلا کر جیتے گی، ہل چلا کر جیتے گی، تلوار ہماری جیتے گی۔ ہل کو توڑ دو، قائد عوام کو ووٹ دو، جب کہ دوسرا گروپ اس کے مخالف تھا جو کچھ یوں بول رہا تھا اتحاد یقیناً جیتے گا، مفتی محمود جیتے گا، اصغر خان جیتے گا۔ ہل یقیناً جیتے گا۔ آپ کے ووٹ کے صحیح حق دار قومی اتحاد پاکستان کے امیدوار (نو ستارے)، سب کو پیارے پیپلز پارٹی والے بھی ہارے۔ اتنے میں ایک اور ٹیکسی آ گئی جس سے ایک صاحب کچھ یوں بول رہے تھے۔ آزاد امیدوار ایس ایم جعفر کو ووٹ دے کر کامیاب کریں جن کا انتخابی نشان مشعل ہے۔ مشعل جلے گی تو روشنی ہوگی۔ یہ لیجئے گھوڑے والے بھی آن پہنچے۔ مسلم لیگ کا انتخابی نشان گھوڑا جس نے ہل اور تلوار کو توڑا۔ گھوڑے کے انتخابی نشان پر مہر لگا کر بانئ پاکستان کی جماعت مسلم لیگ کو مضبوط بناتے ہوئے پاکستان کو مضبوط بنائیے۔ ظلم کی تلوار ہوا میں لہراتی ہی رہے گی لیکن لہرانے والے کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے۔

اتنے میں میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک صاحب فرمانے لگے جن کی عمر ۶۰/۷۰ برس کے لگ بھگ ہوگی۔ سر کے بال سفید، مگر [illegible] ذہن پریشان معلوم ہوتا تھا جیسے بہت ہی دکھی ہوں۔ تم کیا ہاتھ کاٹو گے، کیونکہ ہاتھ کاٹنے والے تو ابدی نیند سو چکے ہیں۔ میری دلچسپی بڑھی باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ فرمانے لگے بیٹا تم ابھی چھوٹے ہو اور اس پاکستان کی عظیم مملکت کو آزاد ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اگر تم ذرا بھر بھی اس کو دیکھ لیتے تو تم بھی یہی کہتے۔

انہوں نے اگر ہاتھ ہی کاٹنے تھے تو وہ ہاتھ کیوں نہیں کاٹے جو ان کی ماؤں پر اٹھے تھے جس نے ان کی بہنوں کے ساتھ ____ سلوک کیا تھا جن سے ان کے معصوم بچے شہید ہو گئے تھے۔ جس نے محمد (صلعم) کی پیاری امت کی [illegible] بہائی تھیں۔ بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے وہ فرمانے لگے۔ بیٹا کس منہ سے وہ داستان سناؤں؟ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی؟ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔ یہی بھی ایک نعرہ تھا جس کے ساتھ یہ بھی شامل تھا کہ آزاد پاکستان میں قرآنی شریعت کے قوانین نافذ کئے جائیں گے۔ یہی لا الٰہ الا اللہ تھی جس نے لاکھوں فرزندانِ اسلام کے لہو کے بدلے ایک آزاد مملکت جس کو اسلام کا قلعہ بولتے ہیں حاصل کی تھی۔ مجھے بتاؤ؟ میں یہ بات تجھ سے نہیں بلکہ اپنے ان حکمرانوں سے پوچھتا ہوں جنہوں نے یہ کہا کہ اسلام ہمارا دین ہے۔ قرآن ہماری کتاب ہے۔ محمد صلعم ہمارے نبی ہیں۔ خدا ایک ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا۔ وہی تمام دنیا کا مالک و رازق ہے لیکن قرآن پاک جس کو وہ اپنی مقدس کتاب مانتے ہوئے بھی اس پر عمل نہیں کرتے اور اسی دشمن جس نے ان کے بھائیوں پر کلہاڑیاں چلائیں ان کی ماؤں کو ننگا کیا۔ ان کی بہنوں کے ساتھ [illegible] انسانیت سوز سلوک کیا۔ ان کی نازک بچیوں کو کاٹ کاٹ کر ان پر نمک اور مرچوں کا چھڑکاؤ کیا۔ ان کے [illegible] کی آنکھیں نکالیں تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں۔ ان کے ہاتھ کاٹے کہ وہ چل نہ سکیں۔ ان کی زبان کاٹی کہ وہ بول نہ سکیں اور ہم نے ان کے (دشمن کے) ساتھ کیا سلوک کیا۔ ان کی کتابوں کو سینے سے لگایا۔ ان کی تعلیم کو عام کیا۔ ان کے قوانین کو اپنایا کیونکہ وہ ہمارے محسن تھے (!) اور سب سے بڑی بات انگریز کی زبان یعنی انگریزی کو ہم نے سرکاری زبان مقرر کیا۔ میں نے کہا لیکن الحمد للہ اردو کو قومی زبان کا درجہ مل چکا ہے، لیکن عمل کون کرتا ہے؟ وہ خاموش ہو [illegible]

گھنٹے کو ہر کوئی کر سکتا ہے کیونکہ تم دیکھتے ہو اردو قومی زبان بن چکی ہے لیکن دفتروں کے خطوط اور کارروائی سب کچھ انگریزی میں ہے ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے گرتے کو تھام لے ساقی

اردو کو جب سرکاری خطوط کے لیے استعمال کیا جائے گا یا سرکاری کام وغیرہ اردو میں ہوں گے تو تب ہی بات بنے گی۔ یہ تو کاغذی کارروائی ہے۔ بہر حال بات کہاں سے چلی اور کہاں جا پہنچی۔

میں تم کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ یہ باتیں میں تم کو اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ تم قوم کے نونہال ہو۔ تم قوم کے ابھرتے ہوئے ستارے ہو۔ تم نے چاند بن کر آسمان پر چمکنا ہے۔ میری باتیں غور سے سننا اور اگر ہو سکا تو یہ باتیں دوسرے لوگوں تک پہنچا دینا کیونکہ ؎

جگا دو انہیں آشیاں جل چکا ہے
مسافر ہمارے بہت سو چکے ہیں

ان کو بتا دینا کہ تم کدھر چلے گئے ہو۔ تمہارا راستہ کونسا ہے؟ تم پھول بچے ہو وہ راستہ اختیار نہ کرو جس میں پھول ہوں بلکہ کانٹوں پر چلنا سیکھو۔ اس کے بعد وہ واقعہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

میں گورداسپور کا رہنے والا تھا وہاں پر خوب اچھی طرح کھاتا پیتا تھا۔ اپنی دکان تھی۔ پندرہ بیس روپے روز آسانی سے مل جاتے تھے۔ خوب چمکا ہوا کاروبار تھا۔ بالکل اسی طرح الیکشن کا ہنگامہ شروع ہوا۔ اسی طرح ہنگاموں سے لوگوں کے دلوں میں پھوٹ پڑی اور ان کی خون کی ندیاں بہائی گئیں اور بستی ہی جلی گئیں۔ ان میں معصوموں کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ ہر چیز بازار سے غائب ہو گئی۔ پاکستان آزاد ہونے کا تاریخی اعلان بھی ہو گیا۔ یہ ہنگامہ ختم نہ ہوا بلکہ بڑھتا ہی گیا۔ آسمان اس ہنگامے کو دیکھ دیکھ کر زرد پڑ چکا تھا۔ زمین سرخ ہو چکی تھی۔ دریا خوشی سے بلبلے پر اڑاتے ہوئے بل کھاتے ہوئے بھنوروں میں اپنی شوخیاں بگھارتے ہوئے بہتے چلے جا رہے تھے۔

۱۶ر اگست ۱۹۴۷ء کا دن تھا۔ یہی حال ہمارے ساتھ شروع ہوا۔ اچھے بھلے دوست جو ایک دوسرے پر اپنی جان نچھاور کر دیتے تھے دشمن بن گئے اور ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے یہ دشمنی صدیوں سے چلی آ رہی ہو۔ ایک بس کی آمد کی خبر ہوئی جو مہاجرین کو لے کر پاکستان جا رہی تھی۔ میں اپنی بیوی، جوان سال بیٹی اور بیس سالہ خوب صورت بیٹے، تین سالہ اور ایک سالہ بچی کو ساتھ ساتھ لیا اور بس کے انتظار میں شہر سے باہر کھڑے ہو گئے۔ بہت سے دوسرے مسلمان بھی وہاں پر کھڑے ہوئے تھے۔ سکھوں کا ایک دستہ ہاتھوں میں کلہاڑیاں برچھیاں لہراتا ہوا وہاں آن پہنچا اور نہتے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ ایک سکھ نے میری بچی کو پکڑا، میرے جگر کے ٹکڑے کو پکڑا، اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سب کے سامنے اس کو ———

(جو الفاظ انہوں نے بیان کیے میرے قلم میں ہمت نہیں کہ ان کو لکھ سکوں) میرا بیٹا، میرا میرے جیسا بیٹا یہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ آگے بڑھا لیکن آہ! تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے سر سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ وہ ڈگمگایا گرا لیکن پھر اٹھا۔ اب اس کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ بہادر تھا، جان نکل رہی تھی لیکن جوش باقی تھا۔ ایک ہی وار سے بہن کے ——— ؟ کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اس کی کلہاڑی پھر ابھری۔ ایک اور سکھ میرے سامنے تڑپ رہا تھا۔ مسلمانوں کی لاشوں کے انبار لگ چکے تھے جن میں سے ایک میری بیٹی کی تھی اور دوسرے میرے بیٹے کی۔ اس کے علاوہ باقی لاشیں بھی جانی پہچانی تھیں۔ میں آگے بڑھا تاکہ اپنی بیٹی اور بیٹے کے قاتل کا بدلہ اور باقی شہیدوں کے خون کا بدلہ لے سکوں یا ان کے ساتھ خود بھی شہید ہو جاؤں لیکن آہ! میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، کیونکہ ایک لاری آن پہنچی تھی۔ سکھ (ڈرپوک سکھ) بھاگ نکلے کیونکہ لاری پر دو فوجی سپاہی سوار تھے جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ پانچ منٹ بعد لاری میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ وہ اوپر سے بھی بھر چکی تھی۔ میں نے اپنی بیوی اور بچیوں کو تو کسی نہ کسی طرح بس میں کھڑا کر دیا اور خود سوار نہ ہو سکا (کیونکہ عورتیں لاری کے اندر سوار ہو رہی تھیں اور مرد اوپر) میں لپکا تاکہ چلتی ہوئی لاری پر بھاگ کر سوار ہو سکوں۔ میں نے لاری کو پکڑ بھی لیا لیکن جگہ نہ تھی، سنبھل نہ سکا اور پاؤں

ہفت روزہ **خُدّام الدّین** لاہور

فون نمبر ۶۷۵۴۵ | رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۰۷۴

منظور شدہ ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۹ ۱۴۴۳۱ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری B.C ۲۲۶-۲۲۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۰۶۹۷/۹/۳۹-۹ DAB مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۲ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی ۸۱-۹۰/۲۰-۲۱۰ ۵۳ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۶۷ء

شانے زمین پر آ رہا تھا جو چوٹیں مجھے آئیں وہ تو کچھ حقیقت نہیں رکھتیں لیکن جو چوٹیں پہلے برداشت کر چکا تھا وہ ناقابل بیان ہیں۔ جوان سال بیٹے اور بن بیاہی بیٹی کو تو لہو کے سہرے پہنا کر پہلے ہی دفن کر چکا تھا۔ اب بیوی اور بچیاں بھی بچھڑ گئیں (انہوں نے اپنی آنکھیں رومال سے پونچھیں جو شبنمی موتیوں سے تر ہو چکی تھیں۔ وہ ایسی سرخ تھیں جیسے دہکتے ہوئے انگارے) میں نے بھی اپنی آنکھیں رومال سے صاف کیں۔ آزادی کی یہ دلخراش داستان سن کر آنسوؤں سے تر ہو چکی تھیں۔ میں نے وہاں پر کئی اور لوگوں کو بھی دیکھا جو اپنی آنکھیں رومالوں سے پونچھ رہے تھے۔ یہ آنسو خوشی کے نہیں بلکہ ندامت کے تھے؟ اب ان کی آواز کام نہیں کر رہی تھی اور بولا نہیں جا رہا تھا۔

پھر وہ کانپتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے جس طرح میں پاکستان پہنچا وہ ایک لمبی داستان ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی منزل بس آگئی اور وہ بھاگ کر اس میں سوار ہو گئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ میں اپنے اس عظیم محسن سے اس کا پتہ بھی نہ پوچھ سکا۔ جن کی اس گفتگو نے میری آنکھیں کھول دیں۔ سچ ہے آزادی کی قدر وہی جانتا ہے جو غلام رہ چکا ہو۔

وہ تو یہ داستانِ آزادی سُنا کر مجھ سے جُدا ہو چکے تھے لیکن میں سوچتا ہی رہ گیا کہ جس مقصد کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اور جس کے لیے لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا تھا آج وہ پاکستان میں کہاں ہے؟

مسلمانو! کچھ ہوش میں آؤ آپ کے ہر طرف دشمن ہیں۔ اگر تم نہ سنبھلے تو ٹوٹ جاؤ گے۔

[illegible] میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا